ہفت روزہ

ندائے خلافت

۲۵ اپریل ۱۹۹۴ء

☆ داعی تحریک خلافت پاکستان کا دوسرا خطبہ خلافت
☆ ہماری خارجہ پالیسی: ہرچند کہیں کہ ہے، نہیں ہے
☆ پاکستان کا ایٹمی پروگرام ----- ایک نقطہ نظر

حدیث امروز

اسلامی جمہوریہ ایران کے نام ایک بامعنی پیغام

برادر ملک ایران کی اسلامی حکومت کے ایک اعلیٰ عہدیدار، مجلس کے سپیکر جناب علی اکبر ناطق نوری پاکستان کے دورے پر تشریف لائے تو جہاں انہوں نے بہت سی وضاحتیں کیں جو بھارت سے ایران کے روز افزوں تعلقات اور مسئلہ کشمیر پر اس کے رویے میں پہلی سی گرمجوشی نظر نہ آنے کی باعث یہاں ذہنوں میں کلبلانے والے سوالات کے ضمن میں ضروری ہو گئی تھیں، وہاں پاکستان کے سیاسی اور صحافتی حلقوں نے بھی ان کے ذریعے متعدد امور کی جانب برادر ایران کی توجہ مبذول کرائی ہے۔ ان میں اہم ترین پیغام امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان جناب ڈاکٹر اسرار احمد کا تھا جو اگرچہ اخبارات میں رپورٹ ہو چکا ہے لیکن ظاہر ہے کہ وہاں اس کا انداز ایک خبر کا سا تھا جس میں پیغام کی اصل روح سما ہی نہ سکتی تھی۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے کہا یہ ہے کہ ایران کے یاران تیز گام نے محمل کو جا لیا جبکہ پاکستان میں ہم تاحال محو نالہ جرس کارواں ہیں۔ وہاں اہل تشیع اپنے عقائد اور اپنی فقہ کے مطابق ایک اسلامی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے اور ہم سے آگے نکل گئے ہیں جو اس ملک خداداد میں بھی اپنے اسلام کو نافذ نہیں کر سکے جس کا وجود ہی اسلام کا مرہون منت ہے۔ تاہم ایک اور میدان میں پاکستان نے سبقت حاصل کی ہے اور اس کی اہمیت بھی ہرگز کم نہیں۔ جوہری توانائی میں جو صلاحیت پاکستان حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے، اس کا پرامن استعمال بھی توانائی کے مسئلہ کا آخری حل ہے اور اسلحہ سازی میں بھی اس سے وہ کام لیا جا سکتا ہے جس کا مسلمانوں کو باقاعدہ حکم دیا گیا ہے اور مقصد بھی وہی بیان فرمایا گیا جو آج "ڈٹرنٹ" کہلاتا ہے۔ "اور تیار کرو ان (سے جنگ) کے لئے جو قوت بھی تمہارے بس میں ہو اور پلے ہوئے گھوڑے بھی تاکہ تم اس کے ذریعے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں پر دھاک بٹھا سکو اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی" (سورۃ الانفال: آیت ۶۰)

آج دل اہرمن میں ایران اپنی "بنیاد پرستی" کی وجہ سے اور پاکستان اپنی ایٹمی صلاحیت کے باعث کھٹکتا ہے تو ایک مشترک بدخواہ کی اس دشمنی سے دونوں برادر ملکوں کی دوستی کو لازوال اور بامعنی و بامقصد بنانے کا کام کیوں نہ لیا جائے۔ پاکستان اور ایران یک جان و دو قالب ہو جائیں تو افغانستان ان کی گود میں رکھا نظر آتا ہے اور وسطی ایشیا کی نو آزاد مسلم ریاستیں بھی کیونکر اس حلقہ یاراں سے باہر رہ سکیں گی۔ یوں جان دار مسلمان ملکوں کا وہ مضبوط بلاک وجود میں آئے گا جس کی جغرافیائی حدود میں ہی "خراسان" واقع ہے جہاں سے نبی اکرم ﷺ کی بشارت کے مطابق

(باقی سرورق کی پشت پر)

قیمت ۵ روپے

ملتان میں خطبات خلافت

ڈاکٹر طاہر خاکوانی

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان محترم ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ نے دسمبر ۹۳ء سے ملک کے بڑے بڑے شہروں میں خطبات خلافت کے جس پروگرام کا آغاز کراچی سے کیا تھا' اس سلسلے کا آخری پروگرام ۲۸ سے ۳۰ مارچ ۹۴ء کو ملتان شہر میں منعقد ہوا۔ اس طرح نظام خلافت کیا' کیوں اور کیسے پر مفصل اور مدلل گفتگو کے ذریعے نظام خلافت کو زیادہ وسیع پیمانے پر متعارف کرایا گیا۔

خطبات خلافت کے اس آخری پروگرام کی تیاریوں کے سلسلے میں پہلا مسئلہ جگہ کے انتخاب کا تھا۔ ظاہر ہے کہ خطبات خلافت کے موضوعات عوامی سے زیادہ علمی نوعیت کے تھے لہٰذا اس طرح کے پروگرام کے لئے بند ہال ہی زیادہ مناسب ہوتے ہیں۔ ملتان کے اس پروگرام کے لئے بھی کسی مناسب ہال کی تلاش شروع کی گئی لیکن سر توڑ محنت کے باوجود کوئی مناسب ہال میسر نہ آسکا لہٰذا فیصلہ یہی کیا گیا کہ قرآن اکیڈمی ملتان کے ملحقہ گراؤنڈ ہی میں یہ سہ روزہ پروگرام منعقد کیا جائے۔ اس ضمن میں جناب سعید اظہر عاصم ناظم تحریک خلافت ملتان نے مشاورتی کمیٹی بلائی اور ان کے سامنے مسئلے کی نوعیت رکھی اور مشورہ طلب کیا نیز پروگرام کی تفصیلات بھی طے کی گئیں۔

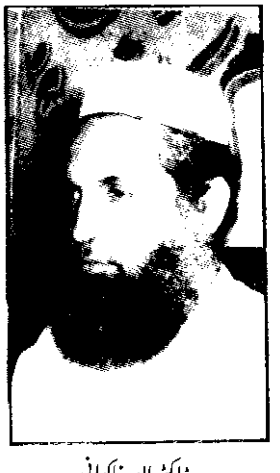

ڈاکٹر طاہر خاکوانی

داعی تحریک خلافت پاکستان جناب ڈاکٹر اسرار احمد مدظلہ ۲۸ مارچ کو شام کی فلائٹ سے ملتان تشریف لائے۔ خطبات خلافت کا آغاز بھی اسی روز سے ہونا تھا۔ بعد از نماز عشاء ٹھیک ۹ بجے پہلے پروگرام کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ اس کے بعد جناب سعید اظہر عاصم ناظم تحریک خلافت ملتان نے تمہیدی گفتگو کی اور داعی تحریک خلافت کو دعوت خطاب دی۔

داعی تحریک خلافت نے مسلسل تین دنوں میں امت مسلمہ کی موجودہ زبوں حالی' اس کے اسباب

داعی تحریک' ڈاکٹر اسرار احمد

اس کا علاج نیز اس امت کے طویل ماضی کی داستان جو بہت سے نشیب و فراز سے اٹی ہوئی ہے اور مستقبل قریب کے خطرات جیسے موضوعات پر مفصل اظہار

(باقی اندرونی سرورق کے دوسری جانب)

سامعین کا انہماک دیدنی تھا اور ان تصاویر سے بھی عیاں ہے

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تحریکِ خلافت پاکستان کا نقیب

ہفت روزہ
لاہور
ندائے خلافت

جلد ۳ شمارہ ۱۷
۲۵/ اپریل ۱۹۹۴ء

8

مدیر
اقتدار احمد

معاون مدیر
حافظ عاکف سعید

یکے از مطبوعات
تنظیمِ اسلامی

مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور

مقامِ اشاعت
۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن، لاہور
فون: ۸۵۶۰۰۳

پبلشر: اقتدار احمد طابع: رشید احمد چودھری
مطبع مکتبہ جدید پریس ریلوے روڈ لاہور

قیمت فی پرچہ: -/۵ روپے
سالانہ زرتعاون (اندرون پاکستان) -/۱۰۰ روپے

زرتعاون برائے بیرون پاکستان
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، بھارت ——— ۱۳ امریکی ڈالر
مسقط، عمان، بنگلہ دیش ——— ۱۰ 〃 〃
افریقہ، ایشیا، یورپ ——— ۱۶ 〃 〃
شمالی امریکہ، آسٹریلیا ——— ۲۰ 〃 〃

ایڈیٹر کے ڈیسک سے

گزشتہ سے پیوستہ شمارے میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے پہلے خطبہ خلافت کی آخری قسط آپ پڑھ چکے ہیں۔ زیر نظر شمارے سے دوسرے خطبہ کا آغاز ہو رہا ہے۔ ارادہ ہے کہ ان خطبات کو نظر ثانی کے بعد ذیلی عنوانات لگا کر کتابی شکل میں بھی شائع کیا جائے چنانچہ ان حضرات کی طرف سے ہماری تلخیص کی خامیوں کی نشاندہی کا خیر مقدم کیا جائے گا جنہوں نے داعی تحریک کی زبان سے یہ خطبات خود بھی سنے ہیں۔

کے ایم اعظم صاحب کا پاکستان کی خارجہ پالیسی کا ایک تجزیہ بزبان انگریزی پیش کیا جا رہا ہے۔ مضمون نگار نے یہ تحریر خاص "ندائے خلافت" کے لئے لکھی ہے لیکن وہ اپنا مافی الضمیر اردو کے مقابلے میں انگریزی میں زیادہ بہتر پیش کر سکتے ہیں۔ اسے انہی کے الفاظ میں پڑھئے' اگلے پرچے میں اس کا رواں اردو ترجمہ بھی شائع کر دیا جائے گا۔

روزنامہ "خبریں" کے ملتان بیورو نے اپنے شہر میں خطبات خلافت کے سلسلے میں داعی تحریک کی آمد کا فائدہ یوں اٹھایا کہ ان کا ایک بھرپور سیاسی انٹرویو لے لیا جو پھر موقر روزنامے کے تمام ایڈیشنوں کے رنگین سرورق پر ان کی متعدد بڑی چھوٹی تصاویر کے ساتھ شائع ہوا۔ "خبریں" کے شکریہ کے ساتھ تصاویر چھوڑتے ہوئے صرف متن "ندائے خلافت" میں نقل کیا جا رہا ہے۔ واضح رہے کہ کچھ دنوں سے "خبریں" نے روائتی رنگینی ترک کر دی ہے اور اب بالائی صفحہ صرف دو رنگوں میں آ رہا ہے جس میں ظاہر ہے کہ' تصاویر "یک رنگی" ہی ہوتی ہیں۔ اس صفحہ میں یہ تبدیلی بھی نظر آئی ہے کہ صنف نازک کی پہلی سی نمائش کا اہتمام نہیں۔ توقع کی جانی چاہئے کہ معاصر عزیز پوری استقامت سے اپنی اس روش پر قائم رہے گا اور اخبارات کے ان قارئین کی طرف سے اسے حوصلہ افزائی بھی میسر آئے گی جو عریانی و فحاشی کے سیلاب بلا سے ناکوں ناک آئے ہوئے تھے تاکہ دوسرے اخبارات میں بھی اس طرز عمل کے اتباع کا داعیہ پیدا ہو۔

اس دفعہ پرچے کے لئے اہم تر مواد مطالعہ اتنا زیادہ تھا کہ "زندگانی کی گزر گاہوں میں" کے نئے سلسلے کی دوسری ہی قسط روکنی پڑ گئی لیکن تشویش کی بھی کوئی بات نہیں' گھر ہی کی تو بات ہے اور گھر کی مرغی دال برابر ہوتی ہے!۔

پاکستان کی جوہری صلاحیت کے بارے میں ایک قاری کے نقطہ نظر پر اپنا اختلافی نوٹ تو ہم نے دے ہی دیا ہے لیکن کچھ مزید وضاحت بھی ضروری ہے۔ امیر تنظیم اسلامی کے تازہ ترین خطاب جمعہ میں تو موقف یہ اختیار کیا گیا ہے کہ ہمیں اپنے ایٹمی پروگرام کو ڈھک کر رکھنے (یعنی "کیپ" کرنے) اور اسلحہ کی تیاری کے ضمن میں اب تک کی کامیابی کو تلف کر دینے (یعنی "رول بیک" کر دینے) کو بھارت کی طرف سے عملدرآمد کے ساتھ بھی مشروط نہیں رکھنا چاہئے کیونکہ ہمارا دشمن صرف بھارت نہیں' اسرائیل بھی ہے اور ہمیں حرب و ضرب کی تیاری رکھنے کا وہی حق حاصل ہے جو آج تک خود امریکہ استعمال کرتا رہا ہے۔ بایں ہمہ ہماری جانب سے قارئین کو یہ مشورہ برقرار رہے گا کہ مضمون نگار کے ملاحظات کو خوب سمجھ کر پڑھا جائے تاکہ اپنے موقف کے منفی پہلو سے بھی ہم غافل نہ رہیں۔ اس تحریر کے جواب میں قارئین کی تحریروں کو بھی "ندائے خلافت" میں ضرور شائع کیا جائے گا بشرطیکہ وہ اسی معیار پر پوری اتریں جو معترض کے اعتراضات میں پایا جاتا ہے۔OO

الہدیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اور نہ کھاؤ تم آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے اور نہ ذریعہ بناؤ اسے حکام رسی کا کہ اس طرح دوسروں کے مال کا کچھ حصہ حق تلفی کر کے ہڑپ کر سکو دراں حالیکہ تم خوب جانتے ہو○

(سورۃ البقرہ آیت ۱۸۸)

سورۃ البقرہ کا تیئسواں (۲۳) رکوع جو کل کا کل عبادت صیام سے متعلق ہے اور جس میں روزے کی فرضیت' اس کی حکمت' رمضان اور روزے کے باہمی تعلق اور روزے کے احکام جیسے اہم مضامین زیر بحث آئے ہیں' اس کا اختتام اس آیہ مبارکہ پر ہو رہا ہے جس میں معاملات کی درستی اور اکل حلال کی خصوصی تلقین و تاکید فرمائی گئی ہے۔ اور یوں گویا اس تقویٰ کے لئے ایک پیمانہ اور ایک کسوٹی فراہم کر دی گئی جو آیت نمبر ۱۸۳ کی رو سے روزے کا اصل حاصل مقصود قرار پایا تھا۔ کہ درحقیقت تقویٰ کا تعین انسان کے جبے قبے اور لبادے اور عمامے کے سائز اور تراش خراش سے نہیں ہے بلکہ تقویٰ کا اصل ٹیسٹ تو یہ ہے کہ انسان روز مرہ کے کاموں میں کس درجے راست معاملہ ہے۔ وہ ناجائز ذرائع سے دوسروں کا مال ہڑپ تو نہیں کرتا' وہ حکام تک رسائی حاصل کرنے کے لئے اپنے مال کو بطور ڈول تو استعمال نہیں کرتا کہ پھر ناجائز مفادات حاصل کرے جبکہ دوسروں کی حق تلفی ہوتی ہو' کہ اپنے مال کو بطور رشوت پیش کر کے اعلیٰ حکام تک رسائی حاصل کرنا اصلاً ناجائز منافع کے حصول ہی کے لئے ہوتا ہے جس سے دوسروں کے جائز حقوق پر لامحالہ ڈاکہ پڑتا ہے جو دراصل معاشی استحصال کی ایک انتہائی مکروہ شکل ہے۔ تقویٰ کا معیار یہ نہیں ہے کہ انسان کے ہاتھوں میں ہزار دانوں کی تسبیح ہو بلکہ اس کا اصل پیمانہ یہ ہے کہ انسان اپنے حقوق پر قانع رہے' دوسروں کی حق تلفی نہ کرے اور حلال پر اکتفا کرے' حرام میں منہ مارنے سے گریز کرے۔ یہ وصف اگر کسی شخص میں موجود نہیں ہے تو وہ وضع قطع سے بظاہر کتنا ہی پرہیزگار اور عابد و زاہد نظر آتا ہو اور اس نے خود کو "تقویٰ" کے خواہ کتنے ہی ظاہری لبادوں میں چھپا رکھا ہو' تقویٰ کی اصل حقیقت سے محروم اور تہی ہے۔)

حافظ عاکف سعید

جوامع الکلم

جس نے ماہ رمضان کے روزے رکھے ایمان و احتساب کے ساتھ اس کی اگلی پچھلی خطائیں بخش دی جائیں گی'

(بلاشبہ نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان میں مسلمان روزہ داروں کے لئے بڑی بشارت ہے جو ایمان و یقین کے ساتھ ساتھ خلوص و اخلاص کی دولت سے بھی مالا مال ہوں اور اخروی اجر کے طلب گار ہوں)

اور جو کھڑا رہا رمضان کی راتوں میں ایمان و احتساب کے ساتھ' اس کے بھی تمام اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے جائیں گے۔

(کہ نبی اکرم ﷺ کی یہی نوید ان عاشقان قرآن کے لئے بھی ہے جو رمضان کی راتوں کو تراویح اور نوافل میں زیادہ سے زیادہ قرآن پڑھ کر گزراتے ہوں' کہ کھڑے ہونے سے مراد حالت قیام میں قرآن کی طویل قراءت ہی تو ہے)

اور جو کھڑا رہا لیلۃ القدر میں ایمان و احتساب کے ساتھ' اس کی بھی تمام اگلی پچھلی لغزشیں معاف کر دی جائیں گی۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم بروایت حضرت ابو ہریرہؓ)

(یہی نوید لیلۃ القدر کے ان شب بیداروں کے لئے ہے جو نوافل پڑھتے اور قرآن کی تلاوت کرتے پوری رات گزار دیں۔) (اللھم ربنا اجعلنا منھم۔ امین)

تجزیہ

WHITHER FOREIGN POLICY OF PAKISTAN

ہماری خارجہ پالیسی

ہرچند کہیں کہ ہے، نہیں ہے

K.M.AZAM
(Former UN Senior Economic Advisor)

Pakistan may have short term tactics in its foreign affairs but it has no foreign policy worth its name what to speak of a long term foreign strategy. In this brief note, I propose to discuss our foreign policy options under three headings: (i) The Islamic/Arab World , (ii) India and (iii) The New World Order.

THEISLAMIC / ARAB WORLD

Our foreign policy in this crucial sphere seem to be based on two opposing notions, both of them equally naive. One that Islamic brotherhood alone should be enough to override every other consideration and second that Islam is no longer an issue in our foreign policy. While Islam indeed is a dynamic resurgent force in the politics in the Middle East, we can not expect Arab and Muslim countries to support us whatever the circumstances. while these countries are indeed willing to allow us an Islamic margin, we have to earn their support as in case of anyone else. But for this we must put our Islamic act in order and keep in a sympathetic touch with the progressive or fundamentalist movements in these countries and not merely show a school boy obedience to the ruling Sheikhs, however good grades it may earn us in the short run. There is indeed a big constructive role going around in the Middle East for Pakistan but Pakistan cannot play this role without getting India off its back. Also, Pakistan credentials for this role have been maligned with our dismal in failure in Afghanistan.

INDIA

The people of both India and Pakistan are ardent captives of the 1947 syndrome and do not seem to remember that only a hundred years earlier they had jointly fought their war of Independence under the flag of a Muslim king. Their 1947 massacre of each other had been underpinned by a consistent distortion of the Indian history by and at the instigation of the British authorities in India. On 29 July 1977 Professor B.N. Pande (a former vice chancellor of the Benaras University and a governor of the Indian state of Orissa) rose in the Indian upper house, Rajya Sabha, to make a passionate plea for setting the distorted Indian history right, so that the future Indian generations may face the world in a right frame of mind.

Professor Pande referred to the two oft-quoted facts: One the non-fact of Tippu Sultan, one fine morning, putting three hundred Brahamins to sword and other the fact of razing to the ground of the Vishwanath temple at Benaras, quoted out of its context. The fact is that this was ordered by Aurangzeb on the plea for justice by one of the Hindu nobles in his retinue, the Maharao of Kutch, whose Maharani had been deviously dishonoured by the Mahant of the temple. Aurangzeb had ordered that Lord Vishwanath be moved to another place, the temple be razed to the ground and the culprit be put to a slow death.

Both India and Pakistan have to realise that event of 1947, however emotionally overpowering, is now out of context with the forces of the World History and both of them will lose by sticking to it so ardently and failing to see the wood for the trees. Iqbal's following well known verse equally applies to this syndrome:

> If you understand not, wiped out you shall be
> Even the history shall forget that you ever existed

Of course only statesmen, not politicians, from both the countries can get them out of this rut of the sideline of history and bring them on to their respective main streams, enabling them to look after their affairs and interest without the fear of each other. In this India being by far the bigger country, has to show a bigger heart and take the first steps toward bilateral accommodation and for Pakistan to see the change of heart whenever it

comes.

THE NEW WORLD ORDER

It is neither in the interests of India nor of Pakistan to accept the new world order based on the percept of the single super power. Perhaps this commonality of interest can be beginning of a common understanding of the world scene. Pakistan has to weigh its options quite clearly between the dependence on a single super power and a joint stand with its trusted friends and peers, especially when the Quran speaks against the unipolar world, implying that it can only be, if at all, a temporary phenomenon, as the will of Allah is against it (2: 251; 22:40).

U.S.A. cannot be fully trusted by any 'Muslim' country as long as it keeps on elevating the concerns of Israel over and above even its own national interest. Moreover, USA lacks the inner strength of conviction, creative fervour and a spiritual vision necessary for the constructive leadership of the world. We should also know that inspite of the weapons of mass destruction, the age of military supremacy has gone for ever, as the USA learnt in Vietnam, Russia in Afghanistan and the Iranian Imperial Guard in Tehran. The USA had tried to reimpose the age of military supremacy on the world through the Gulf War but their dream of world domination has been given an initial jolt by the shoeless, starving fighters of Somalia. Let both India and Pakistan show to the world that their historical destiny amounts to more than being mere lackeys of one super power or an-other.

ہمارا انتخابی سیاست سے کوئی تعلق نہیں

تشدد ہمارے انقلاب کے لئے خودکشی کے مانند ہے

امیر تنظیم اسلامی و داعی تحریک خلافت پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد کا روزنامہ "خبریں" کو انٹرویو

ڈاکٹر اسرار احمد پاکستان کے اقتصادی، معاشرتی اور اخلاقی مسائل کے بارے میں ایک خاص نقطہ نظر رکھتے ہیں جو بعض حلقوں کے نزدیک متنازعہ بھی ہے۔ وہ پاکستان میں نظام خلافت کا احیاء اور نفاذ چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لئے "تحریک خلافت" کے نام سے ایک تنظیم بنا کر جدوجہد بھی کر رہے ہیں۔ پچھلے دنوں ان سے مختلف حوالوں سے ایک تفصیلی گفتگو ہوئی، جس کی روداد ذیل میں پیش کی جا رہی ہے۔

س:- کیا موجودہ زمانے میں خلافت کا احیاء ممکن ہے؟

ج:- میں سمجھتا ہوں اس سلسلہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ البتہ یہ ضرور دیکھنا چاہئے کہ خلافت کا تصور ہے کیا؟ اگر یہ کہا جائے کہ ہم پوری دنیا پر نظام خلافت کو لاگو کر سکتے ہیں، تو یہ بعید از قیاس بات ہوگی۔ تاہم کسی ایک ملک میں خلافت کا احیاء بالکل ممکن ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ خلافت ہے کیا؟ کسی بھی جمہوری نظام کو تین باتوں سے خلافت میں ڈھالا جا سکتا ہے۔ اول حاکمیت اللہ کی، دوم کتاب و سنت کی ہر شے پر بالادستی اور سوم صرف مسلمانوں کو مکمل شہریت کا حق۔ پہلی شق تو قرارداد مقاصد کو آئین کا حصہ بنا دینے سے طے ہو چکی ہے لیکن دوسری اور تیسری پر عملدرآمد نہیں ہوا۔ اگر ان پر عملدرآمد ہو جائے تو نظام خلافت خود بخود قائم ہو جائے گا۔

س:- نظام خلافت کے لئے پارلیمانی نظام حکومت بہتر ہے یا صدارتی؟

ج:- میری ذاتی رائے یہ ہے کہ صدارتی نظام، خلافت کے زیادہ قریب ہے کیونکہ اس میں صرف ایک ہی شخص براہ راست منتخب ہوتا ہے اور اس کے محاسبے کا عمل بھی آسان ہو سکتا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں ایک دو نامکمل تجربات کے بعد یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ صدارتی نظام نہیں چل سکتا۔ حالانکہ پاکستان میں صدارتی نظام اپنی صحیح روح کے مطابق نافذ ہی نہیں ہوا۔ صدارتی نظام میں نظریہ خلافت کے حوالے سے محاسبے کا جو حصہ ہے اسے کبھی بھی نافذ نہیں کیا گیا۔ حالانکہ محاسبے کا عمل امریکہ جیسے ملک کے صدر کو بھی اقتدار سے محروم کر سکتا ہے۔ اس سلسلے میں میری سوچی سمجھی رائے یہ ہے کہ ملک کے زیادہ صوبے بنا کر یہاں صدارتی طرز حکومت رائج کر دینا چاہئے۔ اس سے ہم ان بے شمار مسائل سے نکل آئیں گے جن میں آج کل گھر چکے ہیں۔

س:- فرقہ واریت کی جس فضا میں آج ہم زندہ ہیں کیا اس میں رہ کر ہم نظام خلافت کو اپنا سکتے ہیں؟

ج:- اس کے بارے میں بھی میری رائے یہ ہے کہ ایسا ممکن ہے۔ اس کے لئے صرف یہ کرنا پڑے گا کہ تمام فرقوں کے پرسنل لاء ان کے عقیدے پر چھوڑ دیئے جائیں اور انہیں تسلیم کیا جائے۔ میرا مرحوم جنرل ضیاالحق سے جھگڑا ہی اسی بات پر ہوا تھا کہ وہ اسلام کو تقسیم کرنے کے فلسفے پر عمل پیرا تھے۔ میں نے ۱۸ اگست ۱۹۸۰ء کو ان سے کہا تھا کہ وہ زکوٰۃ آرڈیننس کو مکمل طور پر واپس لے لیں کیونکہ اس سے معاشرے میں تفریق پیدا ہوگی۔ اس لئے کہ زکوٰۃ جہاں ایک مالی معاملہ ہے وہاں ایک عبادت بھی ہے۔

اگر ایک آرڈیننس کو معاشرے کا ایک طبقہ تسلیم کرتا ہے اور دوسرا نہیں کرتا تو اس سے فرقہ واریت کی آگ زیادہ تیز ہو جائے گی۔ لیکن انہوں نے میری بات نہ مانی' اور آج ہم سب دیکھ رہے ہیں کہ زکوٰۃ کا موجودہ سسٹم زکوٰۃ جیسے مقدس فریضے کی کس قدر بدنامی کا باعث بن رہا ہے۔ میں زکوٰۃ کے موجودہ نظام کے اس لئے بھی خلاف ہوں کہ اسے سود کے مال سے وضع کیا جاتا ہے۔ حالانکہ زکوٰۃ کا اسلامی تصور یہ ہے کہ وہ مال تجارت پر لاگو ہوتی ہے۔ حکومت صرف اموال ظاہرہ پر زکوٰۃ لینے کی حقدار ہے۔ اموال باطنہ اس کی دسترس میں نہیں آتے۔ ایک بار مفتی محمود مرحوم اور علامہ تقی عثمانی کے درمیان اس مسئلے پر بحث چھڑ گئی تھی کہ بینکوں میں جمع شدہ رقوم اموال ظاہرہ ہیں یا اموال باطنہ۔ علامہ تقی عثمانی اس بات پر اڑے رہے کہ یہ اموال ظاہرہ ہیں جبکہ مولانا مفتی محمود کا اصرار تھا کہ یہ اموال باطنہ ہیں' ان پر زکوٰۃ لاگو نہیں ہوتی۔ اسی بحث کے دوران مفتی محمود اس قدر جوش میں آ گئے کہ ان کا بلڈ پریشر ہائی ہو گیا اور انہیں دل کا دورہ پڑا' جس سے وہ وہیں انتقال کر گئے۔ مولانا مفتی محمود ضیاالحق کی اسلام نوازی کو ایک چال سمجھتے تھے۔ انہوں نے کئی بار یہ کہا کہ ضیاالحق اگر قادیانی نہیں تو قادیانی نواز ضرور ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ موجودہ نظام زکوٰۃ ایک منظم فقیری ہے اور بھکاری پن کو عام کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ ظاہر ہے یہ بات اسلام کی روح کے منافی ہے۔

س :- نفاذ اسلام کے لئے ملک میں ایک نظریاتی کونسل کام کر رہی ہے کیا اس کونسل کے ذریعے اس مقصد کا حصول ممکن ہے؟

ج :- ناممکن ہے وہ تو صرف ایک مشاورتی کونسل ہے' جس کی سفارشات کو ہمیشہ نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔ نفاذ اسلام کا بتدریج عمل صرف شریعت کورٹ کے ذریعے ممکن تھا کہ وہ جس قانون کے بارے میں یہ محسوس کرے کہ وہ قرآن و سنت کے منافی ہے' اسے ختم کر دے۔ لیکن جان بوجھ کر شریعت کورٹ کا لیول وہ نہیں رکھا گیا جو سپریم کورٹ کا ہے۔ دستور پاکستان جوڈیشنل لاء حتیٰ کہ عائلی قوانین کو بھی اس کی دسترس سے باہر رکھا گیا ہے۔ مالیاتی قوانین ویسے ہی اسے نہیں دیئے گئے تھے۔ ۵ جولائی ۱۹۸۲ء کو جنرل ضیاالحق سے ملاقات کے دوران میں نے مجلس شوریٰ سے استعفیٰ دیا اور انہیں مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ "آپ اپنے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لئے پھر رہے ہیں"۔ یہ سن کر وہ چونکے۔ میں نے اس کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ آپ نے شریعت کورٹ میں اپنے من پسند علماء کو بٹھایا لیکن اس کے باوجود ان پر یہ پابندی بھی لگا دی کہ وہ عائلی قوانین کو نہیں چھیڑ سکتے۔ یہ عائلی قوانین غلام احمد پرویز نے صدر ایوب کے زمانے میں بنائے تھے۔ یوں ایک آمر نے ان قوانین کو بنوایا اور دوسرے نے انہیں گیارہ سال تک اسلام کے نام پر اپنائے رکھا۔ اس مسئلے پر میں واحد شخص ہوں جس نے ضیاالحق کو استعفیٰ دیا۔ میں نے اس زمانے میں مفتی تقی الدین عثمانی کو جو اس وقت شریعت کورٹ کے جج تھے' باب مدینہ میں روک کر کہا تھا کہ "تمہیں شرم آنی چاہئے کہ تم ایک ایسی شریعت کورٹ میں جج بنے بیٹھے ہو' جو عائلی قوانین پر بھی فیصلہ نہیں دے سکتی۔"

س :- آپ کی تحریک خلافت کی بنیاد مذہب ہے یا سیاست؟

ج :- اسلام مذہب اور سیاست دونوں کا مجموعہ ہے۔ بد قسمتی سے ہمارے ہاں سیاست کو حکومت سازی سے منسلک کر دیا گیا ہے۔ میرے نزدیک صحافی سب سے بڑا سیاسی رہنما ہوتا ہے' کیونکہ وہ دوسروں کی رائے بناتا ہے۔ سیاست کے دو حصے ہیں نظری سیاست اور عملی سیاست۔ عملی سیاست کے آگے دو حصے ہو جاتے ہیں انقلابی سیاست اور انتخابی سیاست۔ ہمارا انتخابی سیاست سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم تو انقلابی سیاست پر یقین رکھتے ہیں۔ جو پولیٹیکل اور سوشل سیٹ اپ کو تبدیل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔ ہمارا دوسری مذہبی جماعتوں سے اس سلسلے میں اتحاد اس لئے نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ انتخابی سیاست میں اس بری طرح ملوث ہو چکی ہیں کہ ان کے پاس انقلابی سیاست کے لئے وقت ہی نہیں۔ میں سمجھتا ہوں مذہبی جماعتوں کے رہنماؤں نے سب سے بڑا بلنڈر ہی یہ کیا ہے کہ انہوں نے انتخابی سیاست کو اپنا لیا اور اسلام کا نعرہ بھی لگایا۔ آج اگر عام آدمی ان سیاسی جماعتوں کی وجہ سے اسلامی نظام کے بارے میں شکوک و شبہات میں مبتلا ہے تو یہ جرم انہی جماعتوں کے سر جاتا ہے اور میرے نزدیک ان جماعتوں کے رہنما اسلام کے مجرم نمبر ون ہیں۔

س :- قاضی حسین احمد کی سربراہی میں جماعت اسلامی نے جو کشادہ نظری اپنائی ہے' اس کی وجہ سے قاضی صاحب کے حمائتیوں کا خیال یہ ہے کہ جماعت اسلامی انتخابی سیاست کے ذریعے ملک میں تبدیلی لانے میں کامیاب ہو جائے گی۔ آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

ج :- جماعت اسلامی کبھی بھی انتخابات کے راستے سے اقتدار کی منزل تک نہیں پہنچ سکتی۔ تاوقتیکہ وہ جماعت اسلامی کے بجائے کوئی اور نام نہ رکھ لے۔ میں نے ایک بار پہلے بھی کہا تھا کہ قاضی صاحب اگر جماعت اسلامی کو چھوڑ کر کوئی دوسری جماعت بنا لیں تو اپنی متحرک شخصیت کی وجہ سے مذہبی بھٹو بن سکتے ہیں۔ لیکن جب تک وہ جماعت اسلامی کے امیر کی حیثیت سے سیاست کرتے رہیں گے وہ اس جماعت پر لگی ہوئی چھاپ کو ختم نہیں کر سکتے۔ وہ مودودی کے برعکس چاہے کتنا ہی مزاروں پر جاتے رہیں یا ہلا گلا کر کے عوام کو اپنی طرف متوجہ کرتے رہیں وہ جماعت اسلامی کے اس امیج کو نہیں توڑ سکتے جو لوگوں کے ذہنوں پر نقش ہو چکا ہے۔ لیکن قاضی حسین احمد اور ان کے رفقاء جماعت اسلامی کا نام اس لئے نہیں چھوڑیں گے کہ جماعت اسلامی سونے کا انڈہ دینے والی مرغی ہے۔

س :- سندھ کی صورتحال ایک بار پھر تشویشناک ہو چکی ہے آپ کے نزدیک سندھ کے مسئلے کا کوئی پائیدار حل ہے؟

ج :- میرے ذہن میں اس قسم کے مسائل کا ایک ہی حل ہے کہ پورے ملک میں چھوٹے چھوٹے صوبے بنا دیئے جائیں۔ صرف سندھ میں صوبے بنانے سے کام نہیں چلے گا۔ ایسا کیا گیا تو لوگ اس بارے میں شکوک و شبہات کا شکار ہو جائیں گے۔ پنجاب میں آپ چھ صوبے بنا دیں' سندھ میں تین' سرحد اور بلوچستان میں دو' دو۔ میں اس سلسلے میں بڑے لبرل خیالات رکھتا ہوں۔ میں تو کہتا ہوں کہ اگر صوبے لسانی بنیاد پر بھی بنانے پڑیں تو بنا دینے چاہئیں۔ کاش ہمارے بڑوں نے عربی کو سرکاری زبان بنا دیا ہوتا تو یہ جھگڑے ہی ختم ہو جاتے اور بنگلہ دیش بھی ہم سے علیحدہ نہ ہوتا۔ بھارت اس سلسلے میں ایک بڑی مثال ہے کہ وہاں بیشتر صوبے لسانی بنیاد پر بنائے گئے ہیں۔ کراچی کو علیحدہ صوبہ بنا کر باقی سندھ کو اپر سندھ اور زیریں سندھ کے دو مزید صوبوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کراچی کو علیحدہ صوبہ بنانے سے کوئی نئی سٹیٹ بننے کا خدشہ ہے تو یہ بے بنیاد بات ہے۔ اصل میں جس انداز سے ہم کراچی کو اب چلا رہے ہیں یہ عمل زیادہ شدت سے جناح پور کی راہ ہموار کر رہا ہے کیونکہ جب ایک کروڑ کی آبادی کا شہر غیر مطمئن ہو گا

تو دشمن کے لئے، اپنے مذموم مقاصد پورے کرنا زیادہ آسان ہو جائے گا۔

س:- کشمیر کے حوالے سے جنیوا میں جو کچھ ہوا' اس سے آزادی کشمیر کی تحریک کو فائدہ ہوا یا نقصان؟

ج:- بلاشبہ نقصان ہی ہوا ہے یہ اور بات ہے کہ حکومتی ذرائع اور شخصیات اس کے حق میں پروپیگنڈہ کر رہی ہیں۔ وزیراعظم اس قرارداد سے پہلے چین گئی تھیں اور اس دورے کے دوران ہی یہ آثار پیدا ہو چکے تھے کہ چین اس قرارداد کی حمایت پر آمادہ نہیں ہے۔ اسی مرحلے پر اس قرارداد کو واپس لینے کا فیصلہ کر لینا چاہئے تھا تاکہ بعد میں جگ ہنسائی کا سامنا نہ کرنا پڑتا۔ بین الاقوامی سطح پر ہمارے لئے صورتحال دن بدن اتنی خراب ہوتی جا رہی ہے کہ ہمارے لئے آپشنز ختم ہوتے جا رہے ہیں۔

س:- آپ نے اپنی ایک تقریر میں فرمایا ہے کہ بھارت کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے کی کڑوی گولی نگلنا ہوگی۔ آپ اس کڑوی گولی کے بارے میں وضاحت فرمائیں؟

ج:- ہماری ۱۳ سو سالہ اسلامی تاریخ میں ہندو مسلم نفرت اور تعصبات سرائیت کر چکے ہیں۔ یہ بھی کڑوی گولی کی مانند ہیں۔ ایک دور وہ تھا جب انگریز حکمران اور ہم محکوم تھے اور انگریزوں نے ہم پر حکومت کرنے کے لئے ہندو مسلم تعصبات کو ہوا دی۔ میں ان تعصبات کو کم کرنے کی کوشش کو بھی کڑوی گولی سمجھتا ہوں۔ بھارت سمجھ چکا ہے کہ وہ کشمیر کو ساتھ نہیں رکھ سکتا۔ اسے اپنے ہاں کی اپوزیشن کا منہ بند کرنے کے لئے کوئی کارروائی ڈالنے کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے وہ بات چیت کرتا رہے گا جب تک کوئی حتمی نتیجہ سامنے نہ آجائے۔

س:- کشمیر کا مسئلہ آپ کے خیال میں کیسے حل ہو سکتا ہے؟

ج:- میرے خیال میں دونوں ملکوں (پاکستان اور بھارت) کو شملہ معاہدہ کے مطابق بات چیت کرنی چاہئے۔ اس کے ساتھ ساتھ اپنے دو ہمسایہ ممالک چین اور ایران سے بھی تعاون لیں۔ چین ہمارا پرانا دوست ہمسایہ ملک ہے۔ بین الاقوامی حالات کے باعث اس کا کچھ جھکاؤ بھارت کی طرف ہوا ہے تو یہ اس کی مجبوری ہے۔ لیکن وہ ہر مسئلے پر پاکستان کے ساتھ پہلے تعاون کرتا رہا ہے اور اب یقیناً کرے گا۔ رہی بات ایران کی تو ایران جیسا دوست' برادر ہمسایہ ملک چین اور پاکستان کے ساتھ مل کر بلاک بنانے کی بات بھی کر رہا ہے۔ اگر ہم اپنے ان عظیم ہمسایہ ممالک کو اعتماد میں لے کر بھارت سے بات کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ شملہ معاہدے میں دستاویز کے مطابق مسئلہ کے حل کے لئے بات نہ کرے۔

س:- مشرقی پنجاب کے معاملے کو پاکستان کے معاملات سے منتھی کیا جا رہا ہے آپ کے خیال میں حقائق کیا ہیں؟

ج:- میرے خیال میں آزاد خالصتان قیام پاکستان کے حق میں مفید نہیں۔ اگر سکھوں کی آزاد ریاست قائم ہو جائے تو پھر وہ مغربی پنجاب کی طرف للچائی نظروں سے دیکھیں گے کبھی پنجہ صاحب کے نام پر' کبھی رنجیت سنگھ کی سمادھی کے حوالے سے ننکانہ صاحب کی بات بھی کریں گے' ہری سنگھ کے نام سے مطالبت رکھنے والے ہری پور کا نام بھی لیں گے اور راجہ مان سنگھ کا سرہ سمجھے جانے والے مانسہرہ کی طرف بھی دیکھیں گے۔

رہی بے نظیر کی طرف سے بھارت کی مدد کرنے کی بات تو اس نے جو کہا ہے وہ تو "کہہ مکرنی" ہے۔ کوئی اگر اپنی کسی بات سے مکر جائے تو کوئی کیا کرے۔ زمانہ جانتا ہے اس کے علاوہ بھارت کو خالصتانیوں کی فہرستیں دینے کی بات بھی ہوئی ہے اگر یہ بات درست ہے تو یہ بہت بڑا جرم ہے۔ جن لوگوں نے بھارتی حکمرانوں کو خالصتان کے لئے سرگرم افراد کے ناموں کے بارے میں بتایا ہے یا فہرستیں دی ہیں تو ان کے خلاف کارروائی ہونی چاہئے۔

س:- ہماری معیشت اور سیاست کی اصل خرابیاں کیا ہیں؟

ج:- سود اور جاگیردارانہ نظام ہماری معیشت اور سیاست کو گھن کی طرح چاٹ رہے ہیں۔ سود کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ یہ زنا سے بھی ہزار گنا بڑا جرم ہے۔ سودی گناہ کے ستر حصے ہیں اور سب سے چھوٹا حصہ اپنی ماں سے خلاف شرع فعل کے مترادف قرار دیا گیا ہے۔ ہماری معیشت بری طرح سود میں جکڑی ہوئی ہے اور ہماری آمدنی کا ایک بڑا حصہ قرضوں کے سود کی ادائیگی پر صرف ہوتا ہے۔ ہماری سیاست کا بڑا ناسور جاگیرداری ہے۔ جاگیرداری کا حضرت عمرؓ کے زمانے میں یہ اجماع کیا گیا تھا کہ جو علاقے فتح ہوں گے ان کی زمین بیت المال کی ملکیت ہوگی' اس سے فائدہ یہ ہوتا تھا کہ حکومت کو بندوبست اراضی میں سہولت رہتی تھی اور زمینیں کسی فرد کی ملکیت نہیں بنتی تھیں لیکن ہم بدقسمتی سے اس اسلامی تصور کو نہیں اپنا سکے اور انگریزوں نے جو جاگیریں بانٹی تھیں' انہیں جوں کا توں رہنے دیا۔ جس کے نتیجے میں سیاست پر یہی وڈیرے قابض ہو گئے۔ جبکہ اس کے برعکس بھارت نے پہلا کام ہی یہ کیا کہ جاگیرداریاں ختم کر دیں جس کا نتیجہ سب کے سامنے ہے کہ وہاں سیاسی استحکام موجود ہے۔ میں سمجھتا ہوں اگر تین چار سال کے اندر اندر ان خرابیوں کو دور نہیں کیا جاتا اور کتاب و سنت کی بالادستی اس ملک میں قائم نہیں کی جاتی تو مجھے شدید اندیشہ ہے کہ خاکم بدہن پاکستان کا نام و نشان دنیا کے نقشے سے مٹ جائے گا۔

س:- عورت کی حکمرانی کے بارے میں آپ کے خیالات کیا ہیں؟

ج:- میں نے اس موضوع پر بیان دینے سے ہمیشہ گریز کیا ہے کیونکہ اگر میں اس کی حمایت میں بیان دیتا ہوں تو لوگ کہیں گے کہ بے نظیر بھٹو کے حق میں بیان دے رہا ہوں اور اگر مخالفت میں دیتا ہوں تو لوگ اسے بھی تعصب کی نظر سے دیکھیں گے۔ البتہ علمی حوالے سے میرا اس بارے میں ایک واضح نقطہ نظر ہے کہ عورت کی حکمرانی اسلام میں مطلق حرام نہیں ہے تاہم مکروہ تحریمی ہے۔ البتہ اس ضمن میں میرا ایک اور استدلال یہ ہے کہ اگر اسلام نافذ کر دیا جائے تو عملی طور پر عورت کے حکمران بننے کی گنجائش ہی نہیں رہتی کیونکہ اسلام عورت کے پردے اور حرمت پر بڑی قدغنیں لگاتا ہے۔ ان کے ہوتے ہوئے عورت یوں مردوں میں بے حجابانہ گھوم ہی نہیں سکتی۔

س:- موجودہ نظام عدل کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

ج:- اپنے نظام عدل کو بھی سیاست اور معاشرت سے علیحدہ نہیں سمجھتا۔ جس معاشرے میں ڈاکٹری جیسا پیغمبری پیشہ دولت کی ہوس کا شکار ہو کر رہ گیا ہو' وہاں عدل و انصاف کے شعبوں سے آپ مثالی عمل کی توقع کیونکر رکھ سکتے ہیں۔

س:- آپ جس انقلاب کی راہ ہموار کر رہے ہیں کیا اس میں کسی مرحلے پر تشدد کی ضرورت بھی پڑے گی؟

جواب:- ہرگز نہیں' تشدد ہمارے انقلاب کے لئے خودکشی کی مانند ہے۔ ہم ایسی جماعت ضرور تیار کر رہے ہیں جو اسلامی انقلاب کے لئے گردن کٹوانے پر آمادہ ہوگی' لیکن وہ گردن کچھ اس طرح کٹوائے گی کہ اس کے ہاتھ سینے پر بندھے ہوں گے۔ بالکل اسی طرح

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

(قسط اول)

داعی تحریک ڈاکٹر اسرار احمد کا دوسرا خطبہ خلافت

نظام خلافت عمرانی ارتقاء کی آخری منزل ہے

عہد جدید میں اللہ کی حاکمیت کے اس نظام کے لئے اجتہاد کا دروازہ کھلا رکھنا ہوگا

مرتبہ: نثار احمد ملک

خطبہ مسنونہ' ادعیہ ماثورہ اور تمہیدی کلمات کے بعد فرمایا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ آج بیسیوں ادارے ایسے معرض وجود میں آچکے ہیں جو خلافت کا نام لے رہے ہیں۔ چند سال قبل خلافت کا نام تک لینے والا کوئی نہیں تھا۔ وہ جو کہا جاتا ہے کہ "زبان خلق کو نقارہ خدا سمجھو" اس حوالے سے بھی اگر دیکھا جائے تو گویا مشیت ایزدی کا ظہور ہو رہا ہے۔ لیکن خلافت حقیقت میں ہے کیا۔؟ اس کی فلسفیانہ بنیاد کیا ہے۔؟ اس دور میں نظام خلافت کے خدوخال کیا ہوں گے۔؟ ان باتوں کا شعور حاصل کرنا ضروری ہے۔

خلافت راشدہ کو ختم ہوئے تیرہ سو برس بیت چکے ہیں گویا وقت کے دریا میں بہت سا پانی بہہ گیا ہے۔ بہت سے حالات تبدیل ہوگئے ہیں۔ ہمارے دین میں "اجتہاد" کا باقاعدہ ادارہ اسی لئے رکھا گیا ہے تاکہ "you can move with the movement of time"۔ اس اعتبار سے ہمیں ڈٹ کر کہنا چاہئے کہ we are fundamentalist۔ یہ کہنے میں ہمیں معذرت خواہانہ انداز ہرگز اختیار نہیں کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ ہم Fundamentals کو نہیں چھوڑ سکتے۔ "Fundamentalist" کے لفظی معنی تو "بنیاد پرست" ہوں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ ہم پرستش تو اللہ کے سوا کسی کی نہیں کرسکتے لیکن ہمیں Fundamentals کو برقرار رکھنا ہے۔ زمانہ نہیں رکتا بلکہ ارتقاء پذیر رہتا ہے۔ ع "ثبات ایک تغیر کو ہے زمانے میں" اور یہ کہ۔

جو تھا نہیں ہے جو ہے نہ ہوگا
یہی ہے اک حرف محرمانہ

لہٰذا اس بدلتے ہوئے زمانے کے چیلنج کا مواجہہ کرتے ہوئے خلافت کی شکل کیا ہوگی؟

میں اس Fundamentalism کے لئے ایک مثال قرآن سے لیا کرتا ہوں۔ قرآن حکیم میں آتا ہے "الم تر کیف ضرب اللہ مثلا کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء" تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی مثال کیسے بیان کی ہے؟ ایک ایسے مبارک درخت سے جس کی جڑ زمین میں گڑھی ہوئی ہے اور شاخیں آسمان سے باتیں کر رہی ہیں۔ اسلام کی بنیادیں درخت کی جڑ کی مانند ہیں لیکن درخت صرف جڑ کا نام نہیں ہے۔ درخت میں تنا بھی ہے اور اوپر شاخیں بھی ہیں۔ برگ وبار تو شاخوں کے ساتھ لگیں گے نہ کہ جڑ کے ساتھ۔ لیکن جڑ کی اہمیت اپنی جگہ بہت زیادہ ہے۔ اگر درخت کی جڑ کاٹ دی جائے تو اب وہ درخت رہے گا ہی نہیں بلکہ سوختنی لکڑی ہے۔ اس لئے ہمیں پہلے خلافت کے اصولوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ ان اصولوں میں ہم نے کوئی compromise نہیں کرنا بلکہ انہیں جوں کا توں برقرار رکھنا ہے۔ ان اصولوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں حالات کو دیکھنا ہے اور جہاں حالات متقاضی ہوں گے وہاں اجتہاد کا راستہ اختیار کرنا ہے۔

خلافت کیا ہے! اس کا مختصر ترین جواب یہ ہوگا کہ خلافت حاکمیت کی ضد ہے۔ اسلام کے نزدیک حاکمیت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آزری

سورۂ نور کی آیت نمبر ۵۵ میں اللہ کی حاکمیت کا جو منطقی نتیجہ نکلتا ہے یعنی انسانوں کی خلافت اس کا ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا: "وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت یستخلفنھم فی الارض" انسانوں کے لئے حاکمیت نہیں بلکہ خلافت ہے۔ یہ حاکمیت شخصی ہو یا اجتماعی قرآن کی رو سے شرک ہے۔ علامہ اقبال نے جمہوریت کے بارے میں کیا تھا۔

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

Popular جمہوریت کا اصول چاہوں گا نہیں دوں گا۔ یہ خدائی کا دعویٰ ہے کہ "انا ربکم الاعلی" میں ہوں تمہارا پروردگار۔ فرعون کو معلوم تھا کہ یہاں کی ساری معیشت تو پانی پر ہے اور اس پر میرا کنٹرول ہے۔ لہٰذا "انا ربکم الاعلی" کا نعرہ لگا دیا۔ فرعون اتنا احمق نہیں تھا کہ وہ اس کائنات کا خالق ہونے کا دعویٰ کرتا اور نہ ہی اس کا یہ دعویٰ قبول کیا جاتا تھا۔ دراصل یہ دعویٰ حاکمیت کا تھا اور یہی خدائی کا دعویٰ تھا!

توحید کی اس فرع کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے۔ اس کے لئے میں نے چار مقامات سے آیات منتخب کی ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا: "ولم یکن لہ شریک فی الملک" حاکمیت میں اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ سورۂ کہف میں فرمایا: "لا یشرک فی حکمہ احدا" اللہ تعالیٰ اپنی حاکمیت کے اختیار میں کسی کو شریک کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ سورۂ یوسف میں فرمایا: "ان الحکم الا للہ امر الا تعبدوا الا ایاہ ذالک الدین القیم" نہیں ہے حکم' حکومت اور حاکمیت مگر صرف اللہ تعالیٰ کی۔ اسی کی خوبصورت تعبیر علامہ اقبال نے کی ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آزری

سورۂ نور کی آیت نمبر ۵۵ میں اللہ کی حاکمیت کا جو منطقی نتیجہ نکلتا ہے یعنی انسانوں کی خلافت اس کا ذکر فرمایا ہے۔ فرمایا: "وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت یستخلفنھم فی الارض" انسانوں کے لئے حاکمیت نہیں بلکہ خلافت ہے۔ یہ حاکمیت شخصی ہو یا اجتماعی قرآن کی رو سے شرک ہے۔ علامہ اقبال نے جمہوریت کے بارے میں کیا تھا۔

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

Popular جمہوریت کا اصول چاہوں گا نہیں دوں گا۔ یہ خدائی کا دعویٰ ہے کہ "انا ربکم الاعلی" میں ہوں تمہارا پروردگار۔ فرعون کو معلوم تھا کہ یہاں کی ساری معیشت تو پانی پر ہے اور اس پر میرا کنٹرول ہے۔ لہٰذا "انا ربکم الاعلی" کا نعرہ لگا دیا۔ فرعون اتنا احمق نہیں تھا کہ وہ اس کائنات کا خالق ہونے کا دعویٰ کرتا اور نہ ہی اس کا یہ دعویٰ قبول کیا جاتا تھا۔ دراصل یہ دعویٰ حاکمیت کا تھا اور یہی خدائی کا دعویٰ تھا!

توحید کی اس فرع کو اچھی طرح سمجھ لینا ضروری ہے۔ اس کے لئے میں نے چار مقامات سے آیات منتخب کی ہیں۔ سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا: "ولم یکن لہ شریک فی الملک" حاکمیت میں اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ سورۂ کہف میں فرمایا: "لا یشرک فی حکمہ احدا" اللہ تعالیٰ اپنی حاکمیت کے اختیار میں کسی کو شریک کرنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ سورۂ یوسف میں فرمایا: "ان الحکم الا للہ امر الا تعبدوا الا ایاہ ذالک الدین القیم" نہیں ہے حکم' حکومت اور حاکمیت مگر صرف اللہ تعالیٰ کی۔ اسی کی خوبصورت تعبیر علامہ اقبال نے کی ہے۔

sovereignty ہے۔ یہ بھی اتنا ہی بڑا کفر اور شرک ہے جتنا کہ کسی انسان کی انفرادی حاکمیت۔ فرعونیت' نمرودیت اور عوامی حاکمیت میں نوعیت کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہے۔ اس حقیقت کو ایک مثال کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے۔ فرعون یا نمرود ایک شخص حاکمیت کا مدعی تھا گویا اس کے سر پر شوں نجاست کا کوئی ٹوکرا رکھا ہوا تھا۔ اب عوامی حاکمیت میں وہی شوں نجاست تمام انسانوں میں تولہ تولہ' ماشہ ماشہ تقسیم کردی گئی۔ ظاہر ہے اس طرح تقسیم کردینے سے بھی نجاست تو نجاست ہی رہے گی۔ توحید کا تقاضا یہ ہے کہ حاکمیت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ جب حاکمیت اللہ کے لئے ہوگی تو اب انسانوں کے لئے کیا رہ گیا؟ انسانوں کے لئے "خلافت" ہے۔ درحقیقت خلافت اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کا منطقی نتیجہ ہے۔

اس حقیقت کو ایک مثال کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے۔ ۱۹۴۷ء سے پہلے ہمارے حکمران انگریز تھے۔ یہاں حاکمیت (sovereignty) ملکہ برطانیہ یا شاہ برطانیہ کی تھی لیکن دلی میں وائسرائے تھا۔ اب وائسرائے کا کام فقط یہ ہے کہ جو حکم اصل حاکم کا آجائے اس کی تکمیل و تعمیل اور تنفیذ کی جائے۔ اس ضمن میں وائسرائے کو چون و چرا کی جرات نہیں ہے۔ وہ ایسا کیوں نہیں کر سکتا؟ اس لئے کہ اسے حاکمیت حاصل نہیں ہے۔ اب جن معاملات میں وہاں سے کوئی حکم نہیں آتا وہاں اپنی صوابدید' حکمت اور حالات کے تقاضے کو سمجھ کر اپنے Judgement سے فیصلہ کر سکتا ہے۔ یہ vicegerancy کا صحیح تصور ہے۔ اس میں فرق صرف یہ ہے کہ وہ ملکہ برطانیہ یا شاہ برطانیہ تھا جبکہ یہاں شہنشاہ ارض و سماء ہے اور انسان کی حیثیت vicegerent کی ہے۔

اس خلافت کے ضمن میں دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ خلافت پوری نوع انسانی کو دی ہے۔ اس لئے کہ نوع انسانی کے جد امجد حضرت آدمؑ کو خلیفہ بنایا گیا تھا۔ سورۂ بقرہ میں آتا ہے "واذقال ربک للملائکۃ انی جاعل فی الارض خلیفۃ" اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمیت کو خلافت دے دی گئی۔ اس کے بعد ایک بہت بڑا "لیکن" ہے! نسل آدم میں سے جو خود خدائی کا مدعی بن جائے وہ تو باغی ہے۔ باغی کی سزا یہ ہے کہ اسے کیفر کردار تک پہنچایا جائے لیکن کم سے کم سزا یہ ہے کہ اس کا حق خلافت سلب ہوگیا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے بنیادی طور پر خلافت پوری نوع انسانی کو عطا کی ہے لیکن اب انسانوں میں سے اس خلافت کے حقدار صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے سامنے سر اطاعت خم کردیں۔ اسے ہی اسلام اور مسلم کہتے ہیں۔ مسلم کے معنی ہیں گردن نہادن اور اسلام کے معنی ہیں To submit, To surrender۔

اس بنیادی اصول کو اگر سامنے رکھا جائے تو عہد حاضر کی خلافت کے ضمن میں جو سب سے زیادہ کڑوی گولی ہے وہ نگلی جاسکتی ہے۔ اب وہ لوگ جو انسانی حاکمیت کے دعویدار بن گئے ان کی سرکوبی کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔ فرمایا: "وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ" یہ باغی ہیں لہٰذا ان سے قتال کرو اور جنگ جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ و فساد فرو ہوجائے اور دین کل کا کل اللہ کے لئے ہوجائے۔ لیکن یہ کہ جب تک مسلمان اس پوزیشن میں نہیں ہیں تب بھی اصولی طور پر ان کا حق خلافت سلب ہوگیا ہے۔ خلافت اب مسلمانوں ہی کا حق ہے۔

تیسری بات یہ کہ جب تک نبوت کا سلسلہ جاری تھا خلافت شخصی تھی۔ ایسا کیوں تھا؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم انسان کے پاس نہیں آرہا۔ حاکم حقیقی تو آسمان پر ہے۔ ویسے تو وہ ہر جگہ موجود ہے "ھو معکم اینما کنتم" لیکن "استوی علی العرش" یعنی اس کا تخت حکومت عرش ہے۔ بہرحال وہ ہماری دسترس سے باہر ہے۔ ہر انسان کا اس سے رابطہ نہیں ہے۔ نبی کا رابطہ ہوتا ہے۔ ایک Verbal Communication ہے جس کا نام وحی تھا۔ نبی اکرم ﷺ کے بعد اب یہ سلسلہ ختم ہوگیا۔ وحی کی کھڑکی ہمیشہ کے لئے بند ہوگئی۔ لیکن جب تک یہ سلسلہ جاری تھا خلافت شخصی تھی۔ اس لئے کہ اصل حاکم کے احکام اس کے پاس آرہے ہیں۔ اب نبی کا کام ان کی تنفیذ کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت داؤدؑ سے خطاب صیغہ واحد سے آیا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ اے بنی اسرائیل ہم نے تمہیں خلافت دی ہے۔ فرمایا: "یادانود انا جعلنک خلیفۃ فی الارض" خطاب ایک فرد معین سے ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ بھی اس موضوع پر بہت روشنی ڈالتی ہے۔ فرمایا: "کانت بنو اسرائیل تسوسھم الانبیاء کلما ھلک نبی خلفہ نبی" بنی اسرائیل کی سیاست انبیاء کے ہاتھ میں تھی۔ جیسے ہی کسی نبی کا انتقال ہوتا تھا ایک اور نبی اس کا جانشین ہوتا تھا۔ حضرت داؤدؑ علیہ السلام کے انتقال کے بعد نبوت بھی سلیمان علیہ السلام کو مل گئی اور خلافت بھی سلیمان کو مل گئی۔ چودہ سو برس تک یہ سلسلہ ٹوٹا ہی نہیں۔ جب تک نبی اکرم ﷺ موجود تھے آپ ہی خلیفہ تھے۔ اس خلافت کے سربراہ نبی اکرم ﷺ ہی تھے۔ جب آپ ﷺ کا انتقال ہوگیا' آپ کے ساتھ ہی وحی و نبوت کا سلسلہ ختم ہوگیا۔ اب اس کے بعد خلافت کے نظام میں ایک بہت بڑا انقلاب آگیا ہے۔ اب خلافت شخصی نہیں رہی اجتماعی ہوگئی ہے۔ چنانچہ سورۂ نور کی آیت نمبر ۵۵ پر غور کیجئے۔ فرمایا: "وعداللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض" ۔ اللہ کا وعدہ ہے مسلمانو تم میں سے جو لوگ ایمان اور عمل صالح کا حق ادا کریں گے ہم انہیں زمین میں خلافت عطا کریں گے! اب اس مقام پر ضمیر واحد نہیں ہے بلکہ جمع ہے۔ گویا اب خلافت شخصی اور انفرادی کی بجائے اجتماعی بن چکی ہے۔

اب Social Evolution کے حوالے سے حاکمیت کا جائزہ بھی لیا جاتا ہے۔ اس Social Evolution کی تین stages ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ انسان صرف قبائلی اجتماعیت سے واقف تھا۔ قبیلے کا ایک سردار ہوا کرتا تھا۔ اب اگر یہ سردار اس بات کا مدعی ہو کہ میرے اختیارات مطلق ہیں' میں جو چاہوں حکم دوں۔ اس صورت میں اس نے حاکمیت کا دعویٰ کیا ہے جو کفر و شرک ہے۔ اگر وہ یہ کہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں' اللہ کا حکم نافذ کروں گا اب وہی خلیفہ ہوگیا۔ یہی پوزیشن تھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس کوئی بادشاہت نہیں تھی۔ آپ ایک گھرانے کے سردار تھے۔ لیکن اب اللہ کے نبی تھے' اللہ کا حکم نافذ کرنے والے تھے گویا اللہ کے خلیفہ تھے۔

عمرانی ارتقاء کی اگلی stage میں بڑی بڑی مملکتیں قائم ہوگئیں۔ ان سلطنتوں کے زمانے میں دور ملوکیت کا آغاز ہوا۔ یہ ملوک بھی دو قسم کے تھے۔ ایک طرف وہ فرعون ہے جو دعویدار ہے کہ میرا اختیار مطلق ہے۔ دوسری طرف داؤد علیہ السلام بھی بادشاہ ہیں' قرآن میں آتا ہے "وجعلنکم ملوکا" گویا عمرانی ارتقاء کی اس stage میں وہ بادشاہ ہیں لیکن معناً خلیفہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا جو حکم آرہا ہے اس کو خود بھی مان رہے ہیں اور اس کی تنفیذ بھی کر رہے ہیں۔

عمرانی ارتقاء کی آخری stage عوامی حاکمیت کا دور ہے۔ انسانوں میں اپنے حقوق کا شعور بیدار ہوا۔ ذہنوں میں سوالات ابھرے کہ ایک انسان کیسے

حکومت کر سکتا ہے جب کہ اس کے بھی دو ہاتھ اور دو پاؤں ہیں۔ یہ پوری انسانیت کا حق ہے جس پر ایک شخص قابض ہو گیا۔ اس آخری ارتقائی منزل میں بھی حق و باطل کا معرکہ جاری ہے۔۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفوی سے شرار بو لہبی

ہم کہہ سکتے ہیں کہ شروع سے دو ہی چیزوں کے درمیان معرکہ آرائی رہی ہے۔ ایک طرف حاکمیت دوسری طرف خلافت۔ اس حاکمیت کی مختلف ادوار میں مختلف شکلیں رہی ہیں۔ بظاہر اس حاکمیت اور خلافت میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ فرعون اور نمرود بھی بادشاہ ہیں اور داؤدؑ اور سلیمانؑ بھی بادشاہ ہیں۔ لیکن نمرود و فرعون درحقیقت خدائی کے دعویدار ہیں لہٰذا مشرک اور کافر ہیں جب کہ داؤدؑ اور سلیمانؑ ظاہری اعتبار سے بادشاہ ہیں لیکن حقیقت میں خلیفہ ہیں۔ بعینہٖ یہی پوزیشن آج کے عہد میں ہے۔

علامہ اقبال نے یہ بات اپنی زندگی کی آخری نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" میں بیان کی ہے۔ اس نظم میں علامہ اقبال کے عمرانی فکر (social thoughts) کا خلاصہ آگیا ہے۔ اس نظم میں ابلیس کا ایک مشیر کہتا ہے کہ جمہوریت کا دور آگیا ہے' ہمیں اس سے بڑا اندیشہ ہے۔ گویا ہماری شیطنت کو چیلنج کرنے کے لئے انسان جاگ اٹھا ہے۔ دوسرا مشیر کہتا ہے کہ تمہیں خواہ مخواہ کی تشویش ہو گئی ہے!۔

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خودشناس و خودنگر
تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام
چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر

حقیقت یہ ہے کہ موجودہ دور کی جمہوریت "Dictatorship of the Capitalists" ہے۔ امریکہ کے نظام کو جو جمہوریت کہتا ہے اس سے بڑا پاگل کوئی نہیں۔ بقول اقبال۔

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری

امریکہ میں الیکشن لڑنے کے لئے Millionare نہیں Billionare ہونا ضروری ہے۔ عام آدمی کے ہاتھ میں تو ووٹ کی پرچی ہے جس نے اسے پاگل بنا دیا ہے۔ یہ پرچی ہمارے عام آدمی کے پاس بھی ہے۔ پس پردہ کھیل وہاں سرمایہ داروں کا ہے اور ہمارے ہاں جاگیرداروں کا۔ جمہوریت تو تب ہو گی جب عوام کے اندر معاشی انصاف قائم ہو جائے۔ اس معاشی انصاف پر مبنی نظام کے بعد ان کے ہاتھ میں پرچی دے کر دیکھئے! اب وہ فیصلہ کرنے کی پوزیشن میں ہوں گے کہ اس پرچی کو وہ کس کے لئے استعمال کریں۔

ایک طرف عمرانی ارتقاء کے نتیجے میں شیطان نے انسانی حاکمیت کے تصور کو اجتماعی حاکمیت (Popular Sovereignty) کی شکل دے دی ہے تاکہ اس کی شیطنت برقرار رہے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے بھی انسانی خلافت کو شخصی خلافت سے بدل کر اجتماعی خلافت میں تبدیل کر دیا ہے۔ یہ معاملہ ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔ اب حاکمیت اور خلافت کی جنگ مسلسل جاری ہے۔ عہد حاضر کی خلافت "عوامی خلافت" ہے۔ حضرت عمرؓ کے بقول خلافت "امر المسلمین" ہے۔ یہ مسلمانوں کا ایک اجتماعی ادارہ ہے۔ اسی فلسفہ کو قرآن نے سورۂ شوریٰ میں "امرھم شوری بینھم" کے الفاظ میں بیان کیا ہے۔ اس سے مراد یہی ہے کہ مسلمانوں کا امر مسلمانوں کی باہمی مشاورت سے طے پائے گا۔

اس وقت بھی ہر انسان اپنی جگہ خلیفہ ہے ---- لیکن کس معنی میں؟ میرا یہ جسم میرے پاس اللہ کی امانت ہے' میں اس میں اللہ کا خلیفہ ہوں تاکہ اس جسم پر اللہ کا حکم نافذ کروں' اللہ تعالیٰ نے اس جسم میں جو صلاحیتیں ودیعت کی ہیں انہیں اس کی مرضی کے مطابق صرف کروں' اس جسم کو وہی کچھ دوں جو اللہ نے اس کے لئے حلال ٹھہرایا ہے۔ اگر یہ روش اختیار کروں تو خلیفہ ہوں۔ اس کے برعکس اگر میں یہ کہوں کہ اپنے جسم سے اپنی مرضی کے مطابق کام لوں گا تو میں خدائی کا دعویدار ہوں' حاکمیت کا مدعی ہوں۔!

چنانچہ سورۂ الحدید میں آیا ہے "امنوا باللہ ورسولہ وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ" ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور کھپا دو ان تمام چیزوں کو اللہ کے راستے میں جن میں اس نے تمہیں خلافت عطا کی ہے۔ بقول حضرت شیخ سعدی۔

ایں امانت چند روزہ نزد ماست
در حقیقت مالک ہر شے خداست

یہ ہاتھ میری ملکیت نہیں ہیں بلکہ اللہ کی عطا کردہ امانت ہیں۔ میرا پورا وجود اور پھر جو کچھ مزید مال و اولاد کی شکل میں دیا گیا ہے سب اللہ کی امانت ہے۔ اس لئے پہلے خلافت اپنے وجود میں' اس کے بعد اپنے اس گھر میں جس کے آپ سربراہ ہیں' خلافت کا حق ادا کریں۔ اگر اپنے گھروں میں اللہ کے حکم کے بجائے کسی اور کا حکم چلانا شروع کر دیا ہے --- اس صورت میں آپ باغی ہیں۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ خلافت کی اجتماعی شکل کیا ہو گی' اجتماعی نظام کیسے بنانا ہو گا۔؟ اس کو اس بات پر قیاس کیجئے کہ اجتماعی حاکمیت کا نظام کیسے بنایا گیا ہے۔ پاکستان میں گیارہ کروڑ آدمی بستے ہیں تو کیا گیارہ کروڑ حاکم ہو گئے۔؟ اگر یہ صورت ہے تو پھر گاڑی کیسے چلے گی۔؟ "تو بھی رانی' میں بھی رانی کون بھرے گا پانی۔" عوامی حاکمیت کا مطلب تو یہی ہے۔ لیکن نظام کیسے بنایا گیا ہے۔! نظام بنانے اور چلانے کے لئے ووٹ کی ایک پرچی دے کر آپ اپنی حاکمیت کسی کو منتقل کرتے ہیں۔ میں رائے کا اظہار ایک شخص کے حق میں کر رہا ہوں' آپ کسی دوسرے شخص کے حق میں کر رہے ہیں۔ اب یہ شخص حاکمیت کا حق ووٹ کے ذریعے ان لوگوں کو deligate کر رہا ہے جو منتخب ہو کر اسمبلی میں پہنچ گئے۔ اگر صدارتی نظام ہے تو یہ اختیار صدر کو منتقل ہو جائے گا۔ گویا ملک کے عوام کی اکثریت نے اپنی حاکمیت اسے منتقل کر دی ہے۔ بعینہٖ یہی معاملہ "امرھم شوری بینھم" میں بھی ہو گا۔ میں بھی اللہ کا خلیفہ ہوں' آپ بھی اللہ کے خلیفہ ہیں' اس لئے کہ خلافت اجتماعی ہے۔ لہٰذا اجتماعی نظام بنانے کیلئے کسی اصول کو اختیار کرنا پڑے گا۔ لوگ اپنی "خلافت" کسی ایک شخص کو منتقل کریں گے جو "خلیفۃ المسلمین" کہلائے گا۔ تمام مسلمانوں کے پاس جو حق خلافت تھا اس حق کو ان کی عظیم اکثریت نے اس شخص کو منتقل کر دیا' اس معنی میں وہ خلیفۃ المسلمین ہے۔

خلفاء راشدین کے لئے امیرالمومنین کی اصطلاح استعمال ہوتی تھی لیکن خلافت عثمانیہ تک پہنچتے پہنچتے اصطلاح بدل گئی۔ اب ان خلفاء کے لئے امیرالمومنین کی اصطلاح استعمال نہیں ہوتی تھی' ان کے لئے خلیفۃ المسلمین کی اصطلاح استعمال ہونے لگی۔ اس اصطلاح کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے۔ یہ اصطلاح بالکل صحیح ہے۔ ظاہر بات ہے کہ عہد حاضر میں جو خلافت بنے گی وہ "امرھم شوری بینھم" کے اصول کے تحت ہی بنے گی۔ مسلمانوں کے نزدیک جو شخص اہل ہے اسے وہ اپنا ووٹ دیں گے۔ ان کی اس رائے سے خلیفۃ المسلمین کا انتخاب ہو گا اور اس طرح اجتماعی نظام وجود میں آجائے گا۔ (جاری ہے.....)

خدا تجھے کسی طوفان سے آشنا کردے
کہ ترے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

دامان و گریبان تک ہاتھ ضرور لے جائیے

لیکن اس کی کچھ پیشگی شرائط ہیں

نجیب صدیقی

ہمارا قومی المیہ یہ ہے کہ ہم خود کچھ کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور ملک میں جو خیر کی قوتیں کام کر رہی ہیں ان کا ساتھ دینے پر آمادہ نہیں ہیں۔ قوم کا ذہن بنانے میں اس دور کا موثر ترین ذریعہ ٹیلی ویژن اور اخبارات ہیں۔ ٹیلی ویژن کا کام تو اب برسراقتدار طبقہ کی مدح سرائی رہ گیا ہے۔ اس نے نوجوان نسل کو بے حیائی کا "آب حیات" پلانے کا ذمہ لیا ہے۔ اخبارات بھی اپنی اشاعت بڑھانے اور دنیا بنانے میں تمام اخلاقی قدروں کو پیچھے چھوڑ چکے ہیں۔ وہ لوگ جو اخبارات میں مستقل لکھتے ہیں اور اسی کی "روزی" پر گذارہ کرتے ہیں وہ بھی کیمپوں میں تقسیم ہیں۔ انہیں کسی خاص شخصیت یا ادارے کی خوشنودی مقصود ہے اور یہ ان کی مجبوری بھی ہے۔ ہمارے کچھ دانشور ایسے بھی ہیں جن کا کام مرثیہ نگاری ہے۔ قوم کا مرثیہ، حالات کی خرابی کا ذکر، ہر طرف فساد ہی فساد کا مشاہدہ کراتے ہیں۔ یقیناً ہمارے حالات کچھ ایسے ہی ہیں لیکن اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں روشنی کی کرن بھی ہے جو ان صحافی حضرات کو نظر نہیں آتی۔ مایوسی کا ذکر اگر عزم سفر پیدا کرے تو وہ محمود ہے لیکن محض ماتم پر اکتفا کرنا، یہ کون سی قوم کی تعمیر ہے۔ ان دانشور حضرات کو چاہئے کہ وہ یہ بتائیں کہ ان حالات سے نکلنے کی کون سی تدبیر کی جائے۔ پھر وہ لوگ جو ان حالات کا جائزہ لینے کے بعد اسے تبدیل کرنے کا داعیہ رکھتے ہیں اور عملی میدان میں اس عزم کے ساتھ موجود ہیں کہ اس ملک میں ایک صالح معاشرہ تعمیر کرنا ہے ان کا ساتھ یہ کیوں نہیں دیتے؟۔ یہ تو اپنی نگارشات میں ان کا ذکر بھی پسند نہیں کرتے۔

جناب الطاف گوہر صاحب ملک کے دانشوروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ماضی میں ان کا بڑا چرچا رہا ہے۔ ۲۳ فروری کے نوائے وقت میں پاکستان کے موجودہ حالات پر گہری تشویش کا اظہار کیا ہے اور قرآن مجید کے حوالے سے عذاب کی بعض شکلوں کا ذکر کیا ہے۔ یقیناً ہم اس عذاب کی گرفت میں آ چکے ہیں جس کا موصوف نے حوالہ دیا ہے یعنی "او یلبسکم شیعا و نذیق بعضکم باس بعض"۔ لیکن محض اتنا کہہ دینا کہ "پاکستان کی بقا کا تعلق ہمارے اعمال سے ہے۔ ہم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ اپنے اردگرد کے حالات پر کڑی نظر رکھے۔ یہ باتیں جو عرض کی جا رہی ہیں حزن و یاس کی باتیں نہیں ہیں موجودہ حالات کا بے لاگ تجزیہ ہے۔ آپ کو ہر بات کا پتہ ہے حکمران طبقے کے افراد کا کردار آپ سے چھپا ہوا نہیں ہے۔ عام آدمی کے حقوق غصب ہو رہے ہیں۔ باتیں بنانے سے اب کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ اب ہمیں اپنے ایمان کی روشنی میں عمل کرنا ہوگا۔ اب دامان و گریبان تک ہاتھ اٹھ آئیں گے۔ خواہ وہ قلم ہی کیوں نہ ہو جائیں" کیا یہ کافی ہے؟ دامان و گریبان کی طرف ہاتھ بڑھانے سے کیا مسئلہ حل ہو جائیگا؟ موصوف نے اگر قرآن مجید کے حوالے سے بات نہ کی ہوتی تو اس تحریر سے صرف نظر کیا جا سکتا تھا اس لئے کہ اس قسم کے تجزیئے دن رات چھپتے رہتے ہیں۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے لوگ سمجھتے ہیں کہ T.V ڈراموں سے قوم کی اصلاح ہو جائے گی۔ محض اصلاحی ڈراموں اور تجزیوں سے اگر قوم کو درست کیا جا سکتا تھا تو یہ قوم کبھی کی درست ہو چکی ہوتی۔ قرآن مجید نے دامان و گریبان تک ہاتھ بڑھانے کے لئے کچھ شرائط عائد کی ہیں۔ اس کے بغیر اگر ہاتھ بڑھایا گیا، معاشرہ فساد سے بھر جائے گا۔ گزشتہ کئی تجربات ہمارے سامنے ہیں۔

اس کی پہلی شرط ایمان ہے، توبہ ہے، تجدید عہد ہے۔ پھر ایک ایسی جماعت مطلوب ہے جو دعوت ایمان پر منظم کی گئی ہو، دور اول میں یہی کام ہوا تھا۔ یعنی دعوت ایمان، تنظیم اور تزکیہ۔ وہ لوگ جو دعوت ایمان قبول کر لیں انہیں منظم کیا جائے۔ ان کا تزکیہ کیا جائے انہیں ایک تنظیم میں پرو کر ایک مضبوط قوت بنائی جائے۔ جب یہ قوت ایک معتدبہ تعداد میں فراہم ہو جائے تو دامان و گریبان تک ہاتھ لے جانے کی اجازت ہے۔ اس کے بغیر نہ کوئی انقلاب آیا ہے نہ آئے گا۔ محض تجزیوں سے اور مرثیہ نگاری سے نہ پہلے کوئی معاشرہ درست ہوا ہے نہ آئندہ ہوگا۔

دکھ کی بات یہ ہے کہ حالات کا تجزیہ کرنے کے دعویدار ملک میں قرآن مجید کی بنیاد پر اٹھنے والی تحریک سے بے خبر ہیں۔ یہ تحریک پندرہ سال سے ملک میں لوگوں کو دعوت انقلاب دے رہی ہے جو لوگ اس دعوت کو قبول کر رہے ہیں وہ منظم ہو رہے ہیں، ان کی اپنی زندگیوں میں انقلاب آ چکا ہے۔ وہ تنظیم اور تزکیہ کے مراحل سے گزر رہے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں مستقبل کی دہلیز جن کی منتظر ہے۔ ابھی ان کا حجم بہت کم ہے، لوگوں کو نظر نہیں آ رہا ہے۔ قرآن مجید نے اس طرف اشارہ کیا ہے۔ "کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرہ باذن اللہ" شرط پوری کرنے والے صبر و مصابرت کے دور سے گذرنے والے ہیں، خلافت کے حقدار ہیں اور ان شاء اللہ یہی زمین کے وارث ہوں گے۔

عازمین حج کے لئے

حرمین میں قیام کے دوران راہنمائی کے لئے چند امور پر مشتمل ایک مختصر کتابچہ تیاری کے مراحل میں ہے۔ ان شاء اللہ اپریل کے دوسرے ہفتہ میں شائع ہو جائے گا۔ حج پر جانے والے یا اس کے بعد عمرہ کا ارادہ رکھنے والے خواہش مند حضرات ڈاک خرچ کے لئے ایک روپے کا ڈاک ٹکٹ بھیج کر یہ کتابچہ تحفتاً حاصل کر سکتے ہیں۔

ملنے کا پتہ:

قرآن کالج۔ ۱۹۱۔اے، اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور۔

ہمارے ایٹمی پروگرام کے مضمرات

جوش وجذبہ کہیں حقائق پر پردہ نہ ڈال دے

غلط مفروضے خطرناک غلطیوں کا سبب بنے ہیں

سلطان اکبر حیات

امریکہ کی ریاست الی نوائے کے مقام بیلے ول میں مقیم ہمارے اس پاکستانی دوست کے نقطہ نظر سے ہمیں اتفاق نہیں۔ ہمارا موقف ہے کہ پاکستان کو جوہری توانائی سے ہر طرح کا فائدہ اٹھانے کا حق ہے' اپنی دیگر ضروریات بالخصوص بجلی کی پیداوار میں مدد لینے کا بھی اور "اسلامی بم" بنانے کا بھی۔ بایں ہمہ ہمارے دوست کے اٹھائے ہوئے نکات توجہ طلب ہیں ورنہ کم سے کم اس معاملے میں ہمارے شعور و آگہی کی سطح کو بلند ضرور کرتے ہیں لہٰذا طوالت کے باوجود یہ مقالہ پورا کا پورا شامل اشاعت کیا گیا' اور توقع ہے کہ قارئین بھی اسے غور سے پڑھیں گے۔۔ادارہ

۲۷ دسمبر ۱۹۹۳ء کے "ندائے خلافت" کے سروق پر پاکستان کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں جنرل مرزا اسلم بیگ کی نوائے وقت میں تحریر کا اختتامی حصہ' اسی موضوع پر اداریہ اور آخری صفحے پر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے بھی کچھ خیالات نظر سے گزرے۔ ایٹمی توانائی اور ایٹمی ہتھیاروں کو ہم معنی اصطلاحوں میں استعمال پاکستان میں ہی کیا جا سکتا ہے۔ مغرب میں سکول کے بچے بھی ان اصطلاحوں کے باہمی فرق سے بخوبی واقف ہیں۔ آج کل پاکستان کے اخبارات' جرائد اور سیاسی حلقوں میں ایٹمی پروگرام کافی شدت سے زیر بحث ہے۔ حزب اقتدار اور حزب اختلاف کی طرف سے بیانات دیے جا رہے ہیں جن کا زیادہ مقصد اس مسئلے کو سمجھنا' سمجھانا یا حل کرنا نہیں' بلکہ سیاسی سرمایہ بنانا ہے۔ پریشان کن بات یہ ہے کہ سنجیدہ حلقوں کی طرف سے بھی اس موضوع پر ٹھوس علمی اور غیر جذباتی انداز میں اظہار خیال نہیں کیا جا رہا جبکہ یہ مسئلہ اتنا اہم اور دور رس نتائج کا حامل ہے کہ اس پر انتہائی احتیاط سنجیدگی اور ٹھنڈے دل کے ساتھ غور و فکر کی ضرورت ہے۔ یہ ملک و قوم کی بقا کا مسئلہ ہے۔ ایٹم بم بنانے کے بعد ہم نے کوتاہ اندیشی سے مہم جویانہ پالیسیاں اختیار کیں' اور غلط مفروضوں کی بنا پر غلط فیصلہ کئے تو نتیجہ سوائے تباہی اور بربادی کے کچھ نہ ہوگا۔

ملک اب تک کی روایتی ہتھیاروں کی لڑائیوں میں تو جوں توں بچ نکلا ہے مگر ایٹمی لڑائی سے جانبر ہونا ممکن نہ ہوگا۔ کیا ہماری سیاسی اور فوجی لیڈر شپ میں اتنی بلوغت اور پختگی ہے کہ مہلک ایٹمی ہتھیار ان کے ہاتھوں میں محفوظ ہونگے؟۔ ظاہر ہے کہ پاکستان کے ایٹم بم کا نشانہ بھارت ہی ہوگا۔ یہ پہلے سے سوچ لینا چاہئے کہ ایٹم بم کے استعمال کا مقصد کیا ہوگا۔ یہ استعمال ہندوستان کو شکست دینے کے لئے کیا جائے گا۔ یا فتح تو ہندوستان کی ہوگی مگر ایٹم بم کی وجہ سے اسے فتح کی بھاری قیمت ادا کرنی پڑے گی؟ پاکستان کی روایتی افواج (بری' بحری اور فضائی) ہندوستان کی نسبت چھوٹی اور کمزور ہیں۔ کیا تاریخ میں ایسی کوئی مثال ہے کہ روایتی فوجوں کی کمزوری کے باوجود صرف ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال سے فتح حاصل کر لی گئی ہو؟

جاپان نے دو ایٹم بموں کے گرائے جانے کے بعد امریکہ کے سامنے ہتھیار ڈالے تو اس کی وجہ صرف ایٹم بموں سے پہنچا ہوا نقصان نہیں تھا بلکہ بڑی وجہ یہ تھی کہ جاپان کے حریفوں خصوصاً امریکہ اور روس کے پاس جاپان کی نسبت کہیں زیادہ طاقتور روایتی فوجیں تھیں اور روس نے تو اپنی فوجیں جاپان سے لڑائی کے لئے یورپ سے مشرق بعید کی طرف منتقل کرنا شروع بھی کر دی تھیں۔ جاپان نہیں چاہتا تھا کہ جنگ اور زیادہ طوالت اختیار کرے کیونکہ طوالت کی صورت میں روس کی روایتی فوجیں لڑائی جیت کر جاپان تک پہلے پہنچ جاتیں اور جاپان امریکہ کی بجائے روس کا زیر نگیں ہو جاتا۔ طاقتور روایتی فوجوں کی عدم موجودگی میں صرف ایٹم بم گرا کر جاپان کو ہرانا ممکن نہ تھا۔ کسی بھی لڑائی کا حتمی فیصلہ زمین پر روایتی فوجوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ حال ہی میں عراق کی جنگ میں دو ماہ کی سخت فضائی بمباری کے باوجود عراق کویت سے نہیں نکلا' آخر زمینی حملے نے دو گھنٹے میں یہ کام پورا کر دیا۔ ایٹمی ہتھیار کسی بھی طرح روایتی فوجوں کا نعم البدل نہیں بلکہ ان کے رول کو پورا کرنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

کچھ حلقوں کی جانب سے ظاہر کیا ہوا یہ خیال بھی غلط ہے کہ ایٹمی ہتھیار بن جانے کے بعد روایتی فوجوں کی ضرورت کم ہو جائے گی اور اس طرح ملک کے دفاعی اخراجات کم ہو جائیں گے۔ حقیقت میں یہ اخراجات بڑھیں گے کیونکہ روایتی فوجوں کے اخراجات پر ایٹمی ہتھیاروں کے اخراجات کا اضافہ ہو جائے گا۔ اگر دو حریفوں کے پاس ایٹمی ہتھیار برابر تعداد میں ہیں اور دونوں کی روایتی فوجوں کی قوت بھی برابر ہے تو ہو سکتا ہے کہ ان میں سے جو حریف پہلے ایٹمی ہتھیار استعمال کر لے' فیصلہ اسی کے حق میں ہو جائے۔ اگر ایک حریف کی روایتی فوجیں فیصلہ کن حد تک طاقتور ہیں تو آخری فتح اسی کی ہوگی۔ ہاں یہ ہے کہ کمزور فریق کے ایٹمی ہتھیاروں کی وجہ سے طاقتور فریق کو فتح کی قیمت زیادہ ادا کرنی پڑے گی۔ کمزور فریق اپنے ایٹمی ہتھیاروں کے استعمال سے طاقتور فریق کو نقصان تو بہت پہنچا سکتا ہے مگر اپنی شکست کو فتح میں تبدیل نہیں کر سکتا۔ دو غیر مساوی حریفوں کی لڑائی میں کمزور فریق کے ایٹمی ہتھیار استعمال کر کے ہار جانے والے ملک کے ساتھ بعد میں کیا سلوک ہوگا' اس کا اندازہ لگانا چنداں دشوار نہیں۔

ایٹم بم کا مسئلہ پیچیدہ ہے اور یہ پیچیدگی بم بننے پہ ہی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اس کے بعد کئی نئے مسئلوں کا

آغاز ہوگا اور کئی نئے سوال اٹھیں گے' مثلاً:

۱- کتنے بم بنائیں جائیں؟ کتنے بم کافی ہوں گے؟ ایک دو دس یا بیس؟۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت پاکستان کے پاس ۱۳ بم بنانے کا مادہ موجود ہے اور ہندوستان کے پاس چالیس بم کا مواد۔ ہندوستان نے پاکستان کے ہر جواب میں ایک بم استعمال کیا تو بھی آخر میں اس کے پاس ستائیس بم بچ جائیں گے۔

۲- ایٹمی ہتھیار حفاظت سے کہاں رکھے جائیں گے اور ان کی حفاظت کا کیا انتظام ہوگا؟۔ ظاہر ہے کہ ایک جگہ رکھنا خطرے سے خالی نہیں ہوگا۔ ان ہتھیاروں کو دور دراز مقامات پر الگ الگ محفوظ جگہوں پر رکھنے کا انتظام کرنا پڑے گا۔ یہ مقامات آبادی سے بہت دور ہونے چاہئیں' تاکہ حادثاتی دھماکے کی صورت میں اپنی ہی آبادی کا نقصان نہ ہو۔ اوجڑی کیمپ کا حادثہ ابھی ذہنوں میں تازہ ہے۔ انگریزوں نے جب اوجڑی کیمپ دوسری جنگ عظیم میں بنایا تھا تو یہ آبادی سے بہت دور واقع تھا' رفتہ رفتہ آبادی بڑھی اور اوجڑی کیمپ اپنی جگہ قائم رہا۔ اس کا جو نتیجہ ہوا' اس پہ افسوس تو ہوا' لیکن حیرت نہیں ہوئی۔

۳- کس طاقت کے ایٹم بم ہونے چاہئیں' چھوٹے درمیانے یا بڑے سائز کے؟ اگر بھارت نے ہائیڈروجن بم بنالیا تو کیا پاکستان کو بھی ہائیڈروجن بنانے کی کوشش کرنی چاہئے؟۔ امریکہ نے جب ایٹم بم بنایا تو روس نے بھی کچھ سالوں کے بعد ایٹم بم بنالیا تھا۔ اسی طرح روس نے امریکہ کے مقابلے میں ہائیڈروجن بم بھی بنالیا۔ لیکن بات یہیں ختم نہیں ہوئی بلکہ بڑے سے بڑا ہائیڈروجن بم بننے لگا۔ ایک میگاٹن' پچاس میگا ٹن' سو میگاٹن' ایک ہزار میگاٹن وغیرہ۔ جب امریکہ نے بین براعظمی میزائل لگائے تو روس نے بھی امریکہ کی نسبت کہیں زیادہ میزائل بنا کر فٹ کر دیئے۔ امریکہ نے ایٹمی ہتھیار بحری جہازوں اور آبدوز کشتیوں میں نصب کئے تو روس نے بھی وہی کیا بلکہ امریکہ سے بڑھ کر کیا۔ چنانچہ ایک ایٹم بم بنانے سے ہندوستان کے ساتھ ہماری ہتھیاروں کی دوڑ ختم نہیں ہوجائے گی بلکہ یہ ایک نئی اور بہت مہنگی دوڑ کا آغاز ہوگا۔ ہمیں پہلے سے یہ فیصلہ کرلینا چاہئے کہ کتنی دور تک اس دوڑ میں حصہ لیں گے اور کتنی قیمت ادا کرنے کے لئے تیار ہوں گے۔ بات کھری کھری کرکے سب کو سمجھانی چاہئے تاکہ پتہ چل جائے کہ کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے والا ہے۔ یہ بھی واضح کرنا چاہئے کہ اس دوڑ میں بھارت کو ہارنے کے کیا امکانات ہیں۔

۴- بم پھینکنے کے لئے کیا ذریعہ استعمال ہوگا؟ بم میزائلوں سے گرائے جائیں گے یا جہازوں کے ذریعے؟

۵- کیا ہم ایٹمی بم استعمال کرنے میں پہل کریں گے؟ اگر پہل نہیں کریں گے تو ہو سکتا ہے کہ بھارت پہل کرکے ہماری ایٹمی تنصیبات کو تباہ کردے۔ اگر ہم ایٹمی حملے میں پہل کریں گے تو اس کے بعد کسی قسم کی صلح صفائی کا امکان ختم ہوجائے گا۔

۶- بھارت پر ایٹمی حملے کی صورت میں ہمارے نشانے کیا ہوں گے؟ ایٹمی تنصیبات' فوجی تنصیبات صنعتی مراکز یا سویلین آبادی کے مراکز؟۔ انسانی ضمیر خصوصاً سائنس دانوں کی ایک بڑی تعداد نے ایٹمی ہتھیاروں اور اس سے ممکن ہلاکت اور تباہی کو قبول نہیں کیا۔ امریکہ کے "مین ہٹن" نامی ایٹم بم پروجیکٹ کے انچارج سائنس دان نے دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے ایٹم بم بنانے کی حد تک تو امریکہ کی حکومت سے تعاون کیا۔ مگر جب بعد میں ہائیڈروجن بم بنانے کی تیاریاں ہونے لگیں تو اس کے ضمیر نے بغاوت کردی۔ اس نے پوچھا کہ ایٹم بم کی ہلاکت آخر یہی کیا کم ہے کہ جب ہائیڈروجن بم بنانے کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے؟۔ چنانچہ اس کو ہائیڈروجن بم کے پروجیکٹ سے علیحدہ کر دیا گیا۔ اسلام میں بھی قتال یا جنگ صرف ان لوگوں کے ساتھ جائز ہے جو ہتھیار باندھ کر مسلمانوں کے خلاف لڑائی کے لئے کھڑے ہوجائیں۔ اسلام بچوں' بوڑھوں' بیماروں اور عورتوں کے ساتھ جنگ کی اجازت نہیں دیتا۔ اگر بھارت کے شہروں مثلاً دہلی یا بمبئی پر ایٹم بم پھینکا گیا اور دو یا تین لاکھ افراد ہلاک ہوئے تو ان میں کتنی عورتیں' بوڑھے' بچے بیمار ہوں گے۔ صحت مند جوان بھی ہوں گے جو لڑائی میں شریک نہیں تھے۔ ایٹم بم کے استعمال سے جو بلا تفریق ہلاکت آئے گی کیا اسلام اس کی اجازت دیتا ہے؟۔

۷- جب بھارت سے روایتی لڑائی شروع ہوگی تو کس مرحلے پر ایٹمی ہتھیار استعمال کرنے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ لڑائی شروع ہوتے ہی یہ فیصلہ کیا جائے گا یا بعد میں کسی نازک موقع پر؟ اگر ایٹمی ہتھیار استعمال کرنے میں دیر ہوگئی تو ہو سکتا ہے کہ بھارت پہلے ہی یہ ہتھیار استعمال کرکے فائدہ حاصل کرجائے۔ بھارت کو اس فائدے سے محروم رکھنے کے لئے جلد سے جلد ایٹمی ہتھیار استعمال کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ ایک چھوٹی جھڑپ یا بحران جو دوسری حالتوں میں باہمی گفت و شنید سے حل ہو سکتا تھا' وہ بھی بسرعت ایٹمی جنگ میں تبدیل ہوجائے گا۔ امریکہ اور روس نے اس صورتحال سے بچنے کے لئے واشنگٹن اور ماسکو کے درمیان رابطہ کی ایک "گرم لائن" (Hot line) قائم کر رکھی تھی جس پہ دونوں ملکوں کے سربراہ بحران کی صورت میں براہ راست گفتگو کرسکتے تھے۔ اسی لائن پہ صدر نکسن نے ۱۹۷۱ء میں روس پہ واضح کیا تھا کہ مشرقی پاکستان تو چلا گیا لیکن بھارت نے مغربی پاکستان پہ قبضہ کرنے کی کوشش کی تو امریکہ مغربی پاکستان کو بچانے کے لئے ایٹمی جنگ کا خطرہ مول لے لے گا۔ اس کے بعد روس نے بھارت کو اپنی فوجیں روکنے کے لئے کہا تھا۔ کیا ایسی کوئی "گرم لائن" اسلام آباد اور دہلی کے درمیان بھی ہوگی؟

۸- ملک کے کون سے حصہ میں جنگ کی صورت میں ایٹمی ہتھیار استعمال ہوں گے؟ سیاچن گلیشیئر میں لڑائی کے وقت ایٹم بم استعمال ہوگا یا جب لاہور یا سیالکوٹ پر حملہ ہوگا؟

۹- ایٹمی ہتھیار بنانے اور استعمال کرنے کی پالیسی کا مقصد تو بظاہر یہ ہے کہ ایٹمی ہتھیاروں کی دہشت سے ہر قسم کی لڑائی کے امکانات کم ہوجاتے ہیں۔ اس کو "نکلیر ڈیٹرنٹ" یا جارحیت کی روک بذریعہ ایٹمی اسلحہ کہتے ہیں۔ اگر یہ درست ہے تو کیا بھارت پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو تباہ کرنے کے لئے پہلے حملہ نہیں کرے گا؟ یا پاکستان کا انتظار کرتا رہے گا کہ کب پاکستان ایٹمی حملہ کرے تاکہ بھارت جوابی حملہ کرسکے؟۔ بھارت ایک آزاد ملک ہے' اسے کوئی بھی داخلہ' خارجہ اور فوجی حکمت عملی اختیار کرنے کا حق حاصل ہے۔ اس کی جنگی حکمت عملیوں کے بارے میں ہم صرف اندازے لگاسکتے ہیں مگر ان اندازوں کے درست ہونے کی کوئی ضمانت نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جنگ کی صورت میں بھارت کوئی ایسی حکمت عملی اختیار کرے جو ہمارے وہم و گمان میں بھی نہ ہو۔

۱۰- پچھلے چالیس یا پچاس برسوں میں دنیا میں چار ممالک کے پاس قابل استعمال ایٹمی ہتھیار رہے ہیں۔ امریکہ' روس' برطانیہ' فرانس' اور چین نے بھی بیس یا پچیس سال پہلے ایٹمی صلاحیت حاصل کرلی تھی۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ کسی بھی ملک نے ۱۹۴۵ء کے بعد ایٹمی ہتھیار استعمال نہیں کئے۔ حالانکہ ان میں سے بہت سے ملکوں کو روایتی ہتھیاروں کی

لڑائیوں میں حصہ لینا پڑا اور برطانیہ کے سوا تقریباً سب کو ان لڑائیوں میں شکست بھی اٹھانی پڑی ہے۔ امریکہ نے کوریا کی جنگ لڑی' جو تقریباً برابر رہی' البتہ ویت نام سے پندرہ سال کی روایتی لڑائی کے بعد ۱۹۷۵ء میں ذلیل ہو کر نکلنا پڑا مگر ایٹم بم استعمال نہیں کیا۔ فرانس نے ۱۹۵۴ء میں ویت نام میں شکست کھائی اور الجزائر کی جنگ آزادی کو دبانے میں ناکام رہنے کے بعد وہاں سے بھی نکلنا پڑا۔ چین نے کمبوڈیا کے سلسلے میں ویت نام پر حملہ کیا اور منہ کی کھائی۔ برطانیہ نے ارجنٹائن کے ساتھ فاک لینڈ کی لڑائی میں بحری بیڑہ بھیجا اور بھاری جانی قیمت ادا کر کے فاک لینڈ آزاد کروا لیا مگر ایٹم بم استعمال نہیں کیا۔ سوویت یونین گیارہ سال کی لڑائی کے بعد افغانستان سے پسپا ہوا لیکن ایٹم بم استعمال نہیں کیا۔ ان ملکوں نے ایٹمی ہتھیار ہونے کے باوجود یہ ہتھیار استعمال نہیں کئے اور شکست گوارا کر لی۔ کیا پاکستان کے قائدین میں اتنا حوصلہ اور اتنی پختگی ہے کہ وہ ایٹمی ہتھیار استعمال کرنے کی خواہش کو اپنے اوپر غالب نہ آنے دیں اور ایک محدود روایتی جنگ کو لا محدود ایٹمی جنگ میں تبدیل نہ کردیں۔ خصوصاً جب روایتی جنگ میں فتح کے امکانات کم ہو رہے ہوں۔

پاکستان کی دفاعی پالیسی میں غلط مفروضوں کی بنا پر خطرناک غلطیاں پہلے بھی ہو چکی ہیں۔ ۱۹۶۵ء میں کشمیر میں گوریلا لڑاکے بھیجے گئے اور چھمب جوڑیاں سیکٹر میں حملہ کیا گیا تو خیال تھا کہ جنگ کشمیر تک محدود رہے گی اور ہندوستان بین الاقوامی سرحد کو عبور کرنے کی جرات نہیں کرے گا۔ یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ بھارت نے سیالکوٹ پر بھرپور حملہ کر کے چھمب سیکٹر میں پاکستانی فوج کے دائیں پہلو کو کمزور کر دیا اور وہاں پھر کوئی پیش قدمی نہ ہو سکی۔ اسی طرح دسمبر ۱۹۷۱ء میں پاکستان نے مغربی محاذ پر ہندوستان پر اس خیال سے حملہ کیا تھا کہ مشرقی محاذ پر ہندوستان کا دباؤ کم ہو جائے گا۔ نتیجہ اس کے برعکس نکلا اور مشرقی محاذ پر ہندوستان کا دباؤ کم ہونے کی بجائے زیادہ ہو گیا۔ اسی طرح کے غلط مفروضے ایٹم بم کی بحث و تمحیص میں بھی استعمال ہو رہے ہیں۔ اگر ہمیں ماضی کا علم ہو تو ماضی کو یاد رکھتے ہوئے مستقبل کے بارے میں درست فیصلہ کر سکتے ہیں۔ ایک مشہور مقولہ ہے کہ "جو ماضی کو یاد نہیں رکھتے' ماضی کو دہرانا ان کا مقدر بن جاتا ہے"۔ ہماری قوم کو تو ماضی کے بارے میں بتایا ہی نہیں گیا۔

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

کیا مہاجروں کو بنگالیوں کے نقش قدم پر چلانا مقصود ہے؟

حد چاہئے سزا میں عقوبت کے واسطے

میم سین

اللہ اللہ کیا دور آگیا ہے کہ چند چھوکروں کے اس نعرے کو کہ "سندھ میں ہو کیسے گزارا۔ آدھا ہمارا آدھا تمہارا" سندھ کی تقسیم کا پیش خیمہ قرار دیا جا رہا ہے اور یہ پروپیگنڈا اس پارٹی کے دور حکومت میں اسی کی جانب سے کیا جا رہا ہے جس کے قائد نے ۷۱ء کے عام انتخابات کے نتائج کو تسلیم کر کے اقتدار کو اس وقت کی اکثریتی پارٹی عوامی لیگ کے حوالے کئے جانے کی ہر کوشش کو ناکام بنانے کی سازش کی اور "ادھر ہم ادھر تم" کا نعرہ لگایا تھا۔ یہی نہیں بلکہ منتخب ارکان کو اسمبلی کے اجلاس ڈھاکہ میں شرکت سے روکنے کے لئے انہیں ٹانگیں توڑ دینے کی دھمکی دی تھی۔ کون بھول سکتا ہے کہ ملک کے دولخت ہونے کی فوری وجہ یہی بنی۔ پیپلزپارٹی کے نزدیک سندھ کی دھرتی گئوماتا کا تقدس رکھتی ہے۔ انہیں سندھ کی تقسیم گوارا نہیں' ملک کی دھرتی بھلے تقسیم ہو جائے۔ جبھی تو آج بھی جی ایم سید کو ملک کے خلاف نفرت پھیلانے کا ہر ذریعہ مہیا ہے۔ وہ غدار وطن قرار نہیں دیئے جاتے لیکن ایم۔ کیو۔ ایم کے قائد کے خلاف غداری کا مقدمہ چلانے کی باتیں ہو رہی ہیں حالانکہ غداری کا مقدمہ جواد بیگ کے خلاف بھی چلا تھا جن کا جرم یہ تھا کہ انہوں نے کراچی صوبہ تحریک چلانے کی کوشش کی تھی اگرچہ بعد ازاں غداری کا جرم ثابت نہ ہونے پر انہیں بری کر دیا گیا تھا۔

ہمارا یہ قومی المیہ ہے کہ ہم لوگوں کو ان کے جائز حقوق بھی دینے کے روادار نہیں' بھلے اس کے نتیجے میں ملک تقسیم ہی کیوں نہ ہو جائے۔ ہم نے بنگالیوں کو ان کے جائز حقوق نہیں دیئے' ان کے منتخب نمائندوں کے ساتھ معاملات طے کرنے کی بجائے عبدالقادر چودھری' خان صبور اور ایم۔ اے۔ مالک جیسے غیر اہم لوگوں کو اپنا آلہ کار بنایا جس کے نتیجے میں حالات اس قدر خراب ہو گئے کہ وہاں آرمی آپریشن کرنا پڑا۔ یہ ایک اصولی بات ہے کہ اگر کوئی صحیح فیصلہ بھی غلط وقت پر کیا جائے تو نتائج غلط ہی نکلتے ہیں۔ جب بنگالیوں کے جمہوری حقوق کو غصب کیا جا چکا اور اقتدار ان کے حوالے کرنے کی بجائے حکومت وقت ایک اقلیتی پارٹی کے اشاروں پر ناچنے لگی تو بنگالی یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ پاکستان کے ساتھ ان کا چلنا ناممکن ہے۔ لہٰذا وہ بنگالی بھی جو عوامی لیگ کے چھ نکات سے اتفاق نہیں رکھتے تھے' اس کا ساتھ دینے پر مجبور ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ملک دو ٹکڑوں میں بٹ گیا اور پاکستان سے بنگالی بھائیوں کی نفرت اس انتہا کو پہنچ گئی کہ انہوں نے اپنے ملک کا نام بدل کر بنگلہ دیش رکھ دیا۔ حالانکہ اس دنیا میں ایسے ممالک موجود ہیں جنہوں نے ٹکڑوں میں بٹنے کے بعد بھی اپنے نام کو چھوڑنا گوارا نہ کیا۔ شمالی کوریا' جنوبی کوریا' شمالی ویتنام' جنوبی ویت نام' اور مشرقی جرمنی اور مغربی جرمنی اس کی روشن مثالیں ہیں۔

افسوس کہ مہاجروں کے ساتھ بھی یہی سلوک روا رکھا جا رہا ہے۔ ان کے منتخب نمائندوں کو دہشت گردی کے جرم میں مہاجر سیاست سے بے دخل کرنے کی کوشش کی گئی اور ایم۔ کیو۔ ایم کے دوسرے دھڑے یعنی ایم۔ کیو۔ ایم حقیقی کو (جس کا در حقیقت مہاجر سیاست میں کوئی مقام نہیں اور یہ حقیقت گزشتہ عام انتخابات کے نتیجے نے ثابت کر دی ہے) آلہ کار بنا کر آرمی آپریشن شروع کیا گیا۔ اس آرمی آپریشن کے نتیجے میں مہاجر برادری کو جائز سے زیادہ ناجائز طور پر اذیتیں پہنچائی گئیں۔ جسمانی اور ذہنی اذیتوں پر مستزاد قانون نافذ کرنے والے اداروں کی رشوتوں کی شکل میں مال غنیمت کی لوٹ نے انہیں ان سے متنفر اور ایم۔ کیو۔ ایم کی حمایت میں زیادہ ثابت قدم بنا دیا ہے۔ مہاجر عوام کے وہ افراد بھی جو کل تک ایم۔ کیو۔ ایم کے حامی نہ تھے' اب ان کے

اگر حامی نہیں تو مخالف بھی نہ رہے۔ ظاہر ہے کہ آرمی آپریشن کا کوڑا جب بلا امتیاز ہر اس مہاجر گھرانے پر برسا جس کا ایم کیو سے تعلق کا ذرا سا بھی شک ہو تو اس کے نتائج تو یہی نکلنے تھے۔

فہم و فراست کا تقاضہ تو یہ تھا کہ حالات کا مثبت طور پر جائزہ لیا جاتا اور یہ طے کیا جاتا کہ ایم۔کیو۔ایم نے مہاجروں کی محرومی کا جو نعرہ لگایا ہے اس میں کس حد تک صداقت ہے۔ ظاہر ہے کہ کچھ حقیقت تو ہے جس کی بناء پر مہاجروں میں اس کی پزیرائی ہوئی ہے۔ اگر حکومت مہاجروں کے جائز حقوق کا تعین کرکے اس جانب درست اقدام کرتی اور مہاجر برادری کو اپنے اعتماد میں لیتی تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ ایم۔کیو۔ایم اپنی موت آپ نہ مرجاتی۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ ان مہاجر سیاستدانوں نے جو ایم۔کیو۔ایم میں شامل نہیں تھے' مہاجروں سے غداری کا طعنہ تو برداشت کرلیا لیکن ایم۔کیو۔ایم کا ساتھ دینا گوارا نہ کیا۔ جس کے نتیجے میں کئی قد آور مہاجر سیاست دانوں کو مروجہ سیاست میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ ایسے میں صاحبان اقتدار میں وہ بھی دیکھے گئے جنہوں نے پوری مہاجر برادری کو "را" کا ایجنٹ قرار دینے کی حماقت کا ارتکاب کیا۔

اس وقت صورتحال اس انتہا کو پہنچ چکی ہے کہ کراچی کے الگ صوبہ کے علاوہ اس کا کوئی حل ممکن نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ملک کی سیاست کو درپیش مسائل کا حل ہی یہ ہے کہ موجودہ تمام صوبوں کو زیادہ سے زیادہ چھوٹے چھوٹے انتظامی یونٹوں میں تقسیم کردیا جائے۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد صورتحال یہ ہوچکی ہے کہ ملک کے ایک صوبہ کی آبادی بقیہ تمام صوبوں سے زیادہ ہے لہٰذا اس کی سیاسی بالا دستی تو ہے ہی' مستزاد یہ کہ فوج کی عظیم اکثریت کا تعلق بھی اسی صوبہ سے ہے اور سیات میں فوج کا عمل دخل جس حد تک بڑھ چکا ہے اس کا اندازہ اس انٹرویو سے لگایا جاسکتا ہے جو نثار احمد خان سابق وفاقی وزیر برائے پٹرولیم کی جانب سے اخبارات میں شائع ہوچکا ہے۔ اس کے نتیجے میں بقیہ صوبوں کے عوام میں احساس محرومی کا پیدا ہونا فطری بات ہے۔ اس کا علاج یہی ہے کہ ملک میں چھوٹے چھوٹے صوبے بنائیں جائیں اور ہر صوبہ کی مجموعی آبادی ایک کڑور سے زائد نہ ہو۔ اگر صرف کراچی صوبے کی بات ہوگی تو ظاہر ہے کہ پورا سندھ اس کے خلاف اٹھ کھڑا ہوگا۔ لہٰذا اس لئے بھی ضروری ہے کہ تمام صوبوں کی تقسیم عمل میں لائی جائے۔ ہمارے پڑوس میں بھارت کی مثال موجود ہے جہاں صوبوں کو چھوٹے چھوٹے انتظامی یونٹس میں تقسیم کردیا گیا ہے۔ ہمارے پنجاب سے بھی چھوٹا پنجاب وہاں موجود ہے جس کے تین حصے کر دیئے گئے لیکن وہاں جمہوریت ہمارے ملک سے زیادہ کامیابی سے چل رہی ہے۔ وہاں فوج کی یہ مجال نہیں کہ وہ اقتدار کی طرف آنکھ اٹھاکر بھی دیکھ سکے۔

ہمارے یہاں صوبوں کو انگریزوں کی غلامی کی علامت کے طور پر تقدس کا درجہ حاصل ہوچکا ہے۔ حالانکہ یہاں کی بیشتر سیاسی پارٹیوں کے منشور میں یہ بات شامل ہے کہ صوبوں کا عدم توازن ختم کیا جائے گا لیکن ان کی اپنی مصلحتیں ہیں۔ وہ ایم۔کیو۔ایم سے محبت کی پینگیں بڑھاتی ہیں تاکہ ان کا اقتدار قائم رہ سکے۔ جب مطلب نکل جاتا ہے تو اس طرح آنکھیں پھیر لیتی ہیں جیسے اس سے کبھی کوئی تعلق نہ رہا ہو۔ ایم کیو ایم کے ناعاقبت اندیش قائدین نے بھی اپنی پارٹی کو "لوٹے" کی حیثیت دے رکھی ہے' کبھی بے نظیر کے ساتھ تو کبھی نواز شریف کے ساتھ۔ نتیجے میں خواری کے سوا کچھ نہیں مل رہا ہے۔ کاش کہ ایم۔کیو۔ایم نے جذباتی سیاست کی بجائے سنجیدہ سیاست کی روش اختیار کی ہوتی تو آج اسے یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔ آج بھی ان کا حال یہ ہے کہ "جنگ" کے بائیکاٹ کی اپیل برقرار ہے حالانکہ اب ان کی اپیل میں وہ کشش باقی نہیں رہی جو ان کے دور اقتدار میں تھی۔

یہاں میں ان مہاجر بزرگوں کی خدمت میں بھی کچھ عرض کرنے کی جسارت کروں گا جو اخبارات میں اپیلیں جاری کررہے ہیں۔ انہیں سوچنا چاہئے بلکہ ان کے ساتھ ایم۔کیو۔ایم کے تمام حامیوں کو بھی کہ ایم۔کیو۔ایم نے مہاجروں کو کیا دیا؟ کیا مہاجر قومیت تسلیم کرلی گئی ہے؟ کیا کوٹہ سسٹم ختم ہوچکا؟۔ اور کیا محصورین بنگلہ دیش پاکستان واپس پہنچ چکے؟۔ یہی تین اساسی مطالبات تھے جو ایم۔کیو۔ایم نے پیش کئے تھے۔ سیاسی اقتدار سے فائدہ اٹھاکر اگر انہوں نے چند ہزار نوجوانوں کے روزگار کا بندوبست کردیا تھا تو سیاسی بنیادوں ہی پر ان نوجوانوں کو ملازمت سے نکال بھی دیا گیا ہے۔ کیا مہاجروں کا جو وقار ماضی میں قائم تھا وہ باقی رہا؟ آج مہاجروں کے خلاف پورے ملک میں پروپیگنڈا جاری ہے۔ ملک دشمنی کا لیبل ان کی پیشانی پر لگ چکا ہے۔ (اس سے قطع نظر کے اس میں کتنی صداقت ہے) ان کا قائد جس کا دعویٰ ہے کہ وہ مہاجروں کا مسلمہ لیڈر ہے' اسے اپنے سائے سے بھی خوف محسوس ہوتا ہے۔ درودیوار پر کندہ یہ نعرے لوگ اب تک نہیں بھولے کہ "قوم مشکل میں ہے' مشکل کشا لندن میں ہے"۔ حقیقت یہ ہے کہ ماضی میں جس نے بھی مسلمانوں کو تقسیم در تقسیم کرنے کی کوشش کی اللہ تعالیٰ نے اسے معاف نہیں کیا۔ خواہ وہ شیخ مجیب الرحمٰن ہوں جو کبھی بابائے قوم کہلاتے تھے یا ذوالفقار علی بھٹو ہوں جنہوں نے نام نہاد قائد عوام کا خطاب اختیار کیا تھا۔

اب بھی موقع ہے کہ مہاجروں کا یہ نام نہاد قائد اپنے رب کے حضور توبہ کرے جس کی تحریک کے نتیجے میں ہزاروں افراد قتل ہوئے' کروڑوں کی املاک تلف ہوئیں اور آج ہزاروں نوجوان دربدر ہو رہے ہیں۔ ایم۔کیو۔ایم الطاف گروپ اور حقیقی گروپ کی صورت میں موت کا فرشتہ ان نوجوانوں کا تعاقب کر رہا ہے۔ آئے دن قتل و غارت کی خبریں اخبارات کی زینت بنتی ہیں۔ مہاجر قومیت جیسے غیر فطری نعرے کو ترک کرکے ملک کی تمام قومیتوں کے ساتھ ملک کی ترقی کے راستے پر گامزن ہوجانا چاہئے۔ بصورت دیگر اندیشہ ہے کہ مہاجر نوجوانوں کے ذہنوں میں پیدا ہونے والے خیالات جو ایم۔کیو۔ایم کی ناعاقبت اندیش پالیسیوں اور ارباب اقتدار کے غلط اقدامات کے نتیجے میں جنم لے رہے ہیں ملک و قوم کے لئے خطرناک صورتحال نہ پیدا کردیں۔ اللہ ہمیں محفوظ رکھے۔OO

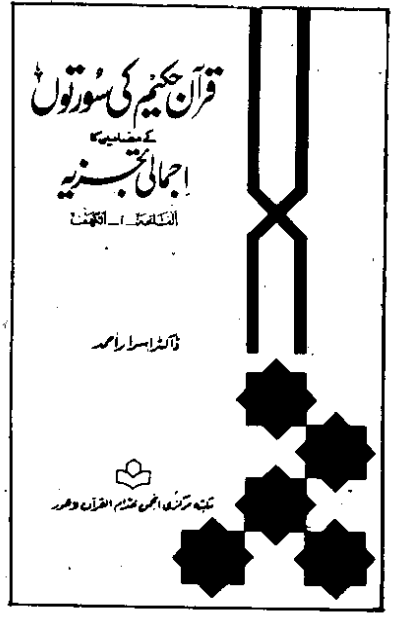

اشاعت خاص -/۴۰ روپے' عام -/۲۰ روپے

عالمِ اسلام کو مرغِ دست آموز کیسے بنایا جائے

(قسط سوم)

رچرڈ نکسن کی کتاب "سیزدی مومنٹ" کے باب "دی مسلم ورلڈ" کا ترجمہ

امریکہ کی تین خام خیالیاں

ترجمہ: فہیم صدیقی

مسلم دنیا کا غیر مستحکم رہنا ہمارے مفادات کے لئے خطرہ ہے

"جدت پسند" مسلمان حکومتوں ترکی، پاکستان، مصر اور انڈونیشیا کو امریکہ کی طرف سے تعاون اور اشتراک عمل کے ذریعے شاہراہ ترقی پر گامزن کرکے دوسرے مسلمان ملکوں کے لئے قابل تقلید نمونہ بنانے کی ضرورت پر زور دینے کے بعد پچھلی قسط میں رچرڈ نکسن نے اپنے ملک کو مراکش کے شاہ حسن اور سعودی عرب کی بادشاہت کی دستگیری جاری رکھنے کا مشورہ بھی دیا ہے اگرچہ اس کی رائے میں ایسے حکمران دوسرے مسلم ممالک کو "جدت پسندی" کی طرف مائل کرنے کی صلاحیت سے عاری ہیں۔ پھر وہ لکھتا ہے کہ.....

ہماری یہ مخصوص پالیسی فوری طور پر تو کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوگی لیکن ایک آدھ نسل کے بعد اس کے مثبت نتائج برآمد ہوں گے اور امریکہ مسلم دنیا کے تاریخی ارتقاء میں اپنا کردار ادا کر سکے گا۔ ایران جیسے بنیاد پرست اور شام جیسے انتہا پسند بعض ممالک حال ہی میں پیچیدہ مسائل میں الجھ گئے ہیں۔ ان ملکوں کے رہنما ممکن ہے جبر و تشدد کے باعث زیادہ عرصہ اقتدار میں رہیں لیکن سماجی امن و سکون حاصل کرنے کے لئے چونکہ ان کے پاس وسائل کی کمی ہوگی لہٰذا اندرونی خلفشار سے بچنے کے لئے انہیں اپنے عوام کو غیر معمولی مراعات پیش کرنی ہوں گی۔ ایسے میں اگر جدت پسند اور معتدل ممالک کامیابی سے ہمکنار ہو چکے ہوئے تو وہ ان مسلم ملکوں اور ان کے عوام کے لئے ایک اچھی مثال بن جائیں گے۔ اپنے اندرونی انتشار و خلفشار سے نجات حاصل کرنے کے لئے پھر وہ کسی اور جانب نہیں دیکھیں گے۔

ترقی پسند ریاستوں کو امریکہ اپنے ساتھ تعلقات میں بہرحال اس حد نہ جکڑ لے کہ انہیں اندرون ملک سیاسی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑے کیونکہ مسلم دنیا کے ذہنوں میں مغربی استعمار کی تلخ یادیں ابھی تازہ ہیں۔ چونکہ مغربی اثر و رسوخ ان کے لئے ایک حساس مسئلہ ہے لہٰذا ہمارے خاص تعلقات میں سرپرستی کی جھلک نہیں ہونی چاہئے۔ اس کے برعکس دکھائی یہ دیا جانا چاہئے کہ وہ لوگ شاہراہ ترقی پر امریکہ کے ہم سفر ہیں۔ ان ممالک کے عوام میں اگر یہ تاثر پیدا کر دیا جائے کہ ان کے رہنما مغرب پرست اور مغرب کے حاشیہ بردار ہیں تو ایسے رہنماؤں کی حکومتیں برقرار نہیں رہ سکیں گی۔

بعض اوقات دوست ممالک کے رہنما عوامی دباؤ کے تحت ہماری پالیسیوں سے اختلاف کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں تو امریکی اس رویہ پر ناپسندیدگی کا اظہار کرنے لگتے ہیں۔ مثال کے طور پر میکسیکو نے جب اقوام متحدہ میں ہمارے خلاف اپنے ووٹ کا استعمال کیا تو امریکی چیخ پڑے اور اس کی اس حرکت کو غیر ذمہ دارانہ قرار دیا حالانکہ میکسیکو امریکہ کا انتہائی قابل قدر اور قابل اعتماد ساتھی ہے۔ اسی طرح بعض اوقات فلپائن کے ساتھ تعلقات میں بھی ایسے مراحل گزرے ہیں۔ میں نے جب ۱۹۵۳ء میں فلپائن کا دورہ کیا تو اپنے میزبانوں سے ایک فلپینی سینیٹر کے بیان پر شکائیت کی تھی جو امریکہ کی خارجہ پالیسی پر تنقید کے ضمن میں تھا لیکن میزبان ملک نے مجھے یقین دلایا کہ مذکورہ سینیٹر امرکہ کا بہت بڑا حامی ہے۔ میں نے اظہار محبت کے اس انوکھے انداز پر حیرت ظاہر کی تو میزبانوں نے کہا کہ آپ فلپینی سیاست کو سمجھے نہیں، یہاں کامیابی کا نسخہ یہ ہے کہ زبان سے امریکہ پر سخت تنقید کی جائے لیکن دل میں دعا ہو کہ امریکی کبھی واپس نہ جائیں۔ ظاہر ہے کہ تمام مخالفتوں اور تنقیدوں کے باوجود فلپائن امریکہ کا بہترین دوست ہے، ۱۹۴۶ء میں اپنی آزادی کے دن سے لے کر آج تک۔

ہمیں یہ حقیقت تسلیم کرنی چاہئے کہ مسلم دنیا میں ہمارے دوست ممالک اپنے مخصوص سیاسی حالات کے باعث ہمارے بعض اقدامات کی کھلی حمایت نہیں کر سکتے لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ ہمارے دوست نہیں رہے۔ امریکہ نے ۱۹۸۶ء میں جب لیبیا پر اس کی دہشت گردی کے خلاف بمباری کی تو اس علاقے کے بہت سے رہنماؤں نے بظاہر ہمارے اس اقدام کی سخت مذمت کی لیکن باطن میں اس اقدام پر خوشی کا اظہار کیا۔ ہمیں حالات کے اس پہلو کو سمجھنے کی عادت ڈالنی چاہئے جو ہمارے دوستوں کو ہمارے دشمنوں کے حق میں زبانی جمع خرچ پر مجبور کر دیتا ہے۔ مسلم دنیا کی ہمارے حق میں حمایت اور بیجتی خلیجی جنگ کے موقع پر قابل دید تھی۔ چھ مسلم اقوام کی فوجیں جن میں پاکستان، مصر، مراکش اور حتیٰ کہ افغان ترقی پسندوں کی بھی بڑی تعداد شامل تھی، امریکی اتحادی کمان کا حصہ بنے۔ اگرچہ فوجی اعتبار سے یہ شراکت بہت معمولی تھی، لیکن سیاسی اعتبار سے اس کی اہمیت کو نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔

اکیسویں صدی میں امریکہ کی خارجہ حکمت عملی کو مسلم دنیا کی طرف سے ایک زبردست چیلنج کا سامنا کرنا ہوگا۔ سرد جنگ کے خاتمہ کے بعد روائتی اختلافات اور دشمنیاں جو ۴۵ سال سے دبی ہوئی تھیں، اب ابھرنے لگی ہیں۔ ایک ایسے خطے میں جہاں ہر پڑوسی کم سے کم ایک رقیب ورنہ بدترین دشمن ہے، علاقے کا غیر مستحکم رہنا ہمارے مفادات کے لئے بڑے خطرے کا باعث ہے۔ تصادم کے دو مراکز یعنی خلیج فارس اور عرب اسرائیل تنازعہ میں امریکی مداخلت بالخصوص بہت اہم ہوگئی ہے۔ خلیجی جنگ کی کامیابی نے اس علاقے کی سلامتی کے لئے بہت سے نئے

راستے کھول دیئے ہیں۔ ان حالات میں امریکہ اگر ایک موثر پالیسی اختیار کرے تو یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ مسلم دنیا میں پائی جانے والی دیرینہ سیاسی پیچیدگیاں کسی بھی جامع اور موثر حل میں رکاوٹ ڈال سکتی ہیں چنانچہ ہماری پالیسی کو ان تین مہلک خام خیالیوں سے اجتناب کرنا چاہئے :

۱- سلامتی کے کسی جامع نظام کی خام خیالی:

متعدد مفکرین کا خیال ہے کہ مشرق وسطیٰ کو علاقائی سلامتی کے ایک معاہدے کی ضرورت ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ اقوام متحدہ کو اس میں ملوث کیا جائے جبکہ کچھ لوگ چاہتے ہیں کہ "نیٹو" یعنی معاہدہ شمالی اوقیانوس یا "سی ایس سی ای" یعنی وسطی یورپ کی مشترکہ سلامتی کے معاہدے کی طرز پر کوئی تنظیم بنائی جائے لیکن وہ بھول جاتے ہیں کہ ایسے کئی معاہدوں کی کرچیاں مشرق وسطیٰ کے ریگستانوں میں آج بھی بکھری پڑی ہیں۔

☆ - ۱۹۵۰ء میں برطانیہ' فرانس اور امریکہ نے ایک سہ طاقتی اعلان کے ذریعہ مشرق وسطیٰ کی سرحدوں کی ضمانت دی بشرطیکہ عدم جارحیت کا وعدہ کیا جائے لیکن یہ ضمانت ہوا میں تحلیل ہوگئی جب برطانیہ اور فرانس سویز کینال پر قبضہ کے لئے خود ۱۹۵۶ء میں مصر پر چڑھ دوڑے۔

☆ - ۱۹۵۱ء میں برطانیہ اور امریکہ نے مشرق وسطیٰ میں مشترکہ فوجی کمان بنائی تاکہ ان ممالک سے تعاون کیا جائے جو علاقے میں داخلی و خارجی دفاعی صلاحیت کو بڑھانا چاہیں لیکن یہ بھی ناکام رہا کیونکہ اتنی وسیع و عریض ذمہ داری کو نبھانا ممکن نہیں تھا۔

☆ - ۱۹۵۱ء میں ہی ایک اور ادارہ وجود میں آیا۔ مغربی یورپ کی طاقتوں نے امریکہ کے اشتراک سے مشرق وسطیٰ کی ایک دفاعی تنظیم بنائی تاکہ یہاں کی دفاعی صلاحیت کو بڑھایا جائے اور مشرق وسطیٰ کو دوسرے ذرائع سے ہتھیاروں کی فراہمی پر پابندیاں لگائی جائیں۔ یہ ادارہ بہت جلد غیر موثر ہوگیا۔

☆ - ۱۹۵۵ء میں برطانیہ' ترکی' ایران' عراق اور پاکستان نے اور بعد میں امریکہ نے بھی اس میں شامل ہو کر علاقہ کے دفاع کے لئے معاہدہ بغداد کی شکل اختیار کی۔ چار سال بعد سوائے عراق کے باقی تمام ملکوں نے اس کی تشکیل نو کر کے "سینٹو" یعنی سنٹرل ٹریٹی آرگنائزیشن میں تبدیل کر دیا لیکن پھر بعض رکن ممالک میں مغرب مخالف حکومتیں برسراقتدار آگئیں لہٰذا یہ معاہدہ بھی ختم ہوگیا۔

☆ - ۱۹۵۷ء میں آئزن ہاور ڈاکٹرائن کے مطابق اعلان ہوا کہ خلیج فارس کے ممالک پر اگر کسی ایسے ملک نے حملہ کیا جو کمیونزم کے زیر اثر ہے تو امریکہ ایسے حملہ آور کے خلاف خلیج میں فوجی طاقت کا استعمال کرے گا۔ اگرچہ یہ ایک مفید اعلان تھا لیکن مقامی طاقتوں کے حملے کی صورت میں خاموش ہے۔

☆ - ۱۹۸۰ء میں کارٹر ڈاکٹرائن میں اعلان تھا کہ خلیج فارس میں چونکہ امریکہ کے اہم مفادات ہیں لہٰذا کسی بھی بیرونی طاقت نے اگر اس پر حملہ کرنے کی کوشش کی تو امریکہ فوجی طاقت کا استعمال کرے گا لیکن امریکہ کے پاس یہاں اتنی فوجی نفری نہیں تھی جو ان الفاظ کا بھرم رکھ سکتی لہٰذا اس کا اثر بھی ایک کھوکھلے نعرے کے سوا کچھ نہ ہوا۔

☆ - ۱۹۸۱ء میں ریگن انتظامیہ نے مشرق وسطیٰ میں ایک متفقہ حکمت عملی پر زور دیا تاکہ روسی توسیع پسندی کا مقابلہ کیا جاسکے لیکن یہ کوشش بھی ناکام رہی کیونکہ اس علاقے کو خطرہ باہر سے نہیں' اندرونی تھا۔

متعلقہ اہم ممالک میں غیر مستحکم حکومتیں' عوامی اقتدار کی عدم موجودگی اور مشترکہ خطرات کا عدم ادراک دراصل وہ عناصر ہیں جو خلیج فارس میں سلامتی کے کسی بھی اہتمام کو بے معنی بنا دیتے ہیں۔ اجتماعی سلامتی کا ایسا کوئی بھی نظام اسی وقت بھک سے اڑ جاتا ہے جب ہر ملک کو یہ فیصلہ کرنے کا انفرادی حق حاصل ہو کہ سلامتی کو لاحق اصل خطرہ کون سا ہے۔ مسلم دنیا میں بعض اوقات دفاعی تنظیمیں بحث و مباحثہ کے لئے اچھے مواقع تو پیدا کر دیتی ہیں لیکن ان کا فائدہ صرف اسی صورت میں ممکن ہے جب فیصلہ کن مراحل دو طرفہ تبادلہ خیال کے ذریعے طے کئے جائیں۔

۲- علاقائی ہتھیار بندی پر پابندی کی خام خیالی:

خلیج فارس کی جنگ نے امریکہ کے ذہن میں یہ بات بٹھادی ہے کہ ہتھیار بندی پر کنٹرول کیا جانا چاہئے۔ بعض تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ مشرق وسطیٰ میں ہتھیاروں کی فروخت کو منجمد کر دیا جائے جبکہ بعض کہتے ہیں کہ ہتھیار فروخت کرنے والوں کی اجارہ داری قائم کی جائی جو اس علاقے میں ہتھیاروں کی فراہمی کو کنٹرول کرے۔ بہت سوں کی تجویز ہے کہ کیمیاوی' حیاتیاتی اور جوہری ہتھیاروں اور میزائل ٹیکنالوجی کی فراہمی پر قطعی پابندی لگادی جائے۔ کچھ کی رائے ہے کہ مشرق وسطیٰ کو عمومی تباہ کاری کے ہتھیاروں سے پاک علاقہ بنانے کے لئے ضروری معاہدوں کی تشکیل کی جائے لیکن چار وجوہات ہتھیار بندی پر پابندی کو ناقابل عمل اور ناقابل قبول بنادیتی ہیں:

۱- ہتھیاروں کی فروخت پر عارضی یا مستقل پابندی اس خطہ کی تمام ریاستوں پر یکساں طور پر اثر انداز ہوگی خواہ وہ دوست ریاستیں ہوں یا مخالف۔ اس سے دوستوں کی جائز دفاعی ضروریات پر بھی اثر پڑیگا۔

۲- چونکہ مشرق وسطیٰ کی اکثر ریاستیں الگ الگ نوعیت کے مختلف خطرات میں گھری ہوئی ہیں اور سب کی زمینی صورتحال بھی مختلف ہے لہٰذا کوئی ایک فارمولا نہیں بنایا جاسکتا جو یکساں طور پر ہر ریاست کے لئے ہتھیاروں کی مقدار کا تعین کر سکے۔

۳- ہتھیار فروخت کرنے والے بعض ممالک کی معیشت کا بڑی حد تک دارومدار اسی پر ہے جیسے سوویت یونین' چین' برازیل اور شمالی کوریا۔ یہ ممالک اعلانیہ یا پوشیدہ طور پر ایسی کسی بھی پابندی کی خلاف ورزی کرتے رہیں گے۔

۴- روایتی ہتھیاروں پر کنٹرول اگر اس خطے سے باہر کی طاقتوں نے زبردستی عائد کر بھی دیا تو اس کا ردعمل یہ ہوگا کہ اس خطے کی ریاستیں عام تباہی کے ہتھیاروں کی تخلیق پر خود کام شروع کر دیں گی۔

کسی وسیع تر اور ہمہ گیر انتظام کی کوشش کے مقابلے میں امریکہ کے لئے بہتر یہ ہوگا کہ وہ ہتھیاروں پر کنٹرول امتیازی اور انفرادی بنیادوں پر کرے۔ مثلاً شام اور عراق پر یہ پابندی ضروری ہے کیونکہ پڑوسی ملکوں کو ان کی جارحیت سے خطرہ ہے جبکہ سعودی عرب اور اسرائیل خود جارحیت کی زد میں ہیں لہٰذا انہیں ہتھیاروں کی فراہمی اس خطے میں امن کی ضمانت ہوگی۔ سب سے زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ جوہری ہتھیار اور میزائل سازی کی صلاحیت کو پھیلنے سے روکا جائے۔ اس سلسلے میں میزائل سازی پر روک ٹوک کا بین الاقوامی قانون ایک اچھی ابتدا ہے۔ تاہم اس کے نتائج کے بارے میں ہمیں زیادہ خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ اس اقدام سے ان صلاحیتوں کے پھیلاؤ کی رفتار کو سست تو کیا جاسکتا ہے لیکن بالکل روکا نہیں جاسکتا۔ لہٰذا مشرق وسطیٰ میں طاقت کا توازن ہی اس خطے کے دفاع کے لئے بہترین فارمولا ہے جسے ہتھیاروں کی فراہمی میں امتیاز سے برقرار رکھا جاسکتا ہے۔

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

دینی جماعتوں کے اکابرین کی خدمت میں

رہبرو' شکوۂ اربابِ وفا بھی سن لو

محبوب الحق عاجز

حالیہ انتخابات کے موقع پر مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی کے ساتھ ساتھ دینی جماعتوں نے بھرپور انتخابی مہم چلائی۔ جلسے جلوس نکالے گئے کارنر میٹنگز بلائی گئیں' نعرہ بازی ہوئی غرضیکہ جو طور طریقے مسلم لیگ اور پیپلز پارٹی نے اختیار کئے کم و بیش وہی دینی جماعتوں نے بھی آزمائے مگر جب انتخابات کے نتائج کا اعلان ہوا تو پیپلزپارٹی اکثریتی پارٹی کے طور پر ابھری اور مسلم لیگ مضبوط اپوزیشن کے طور پر جبکہ دینی جماعتیں بری طرح طرح ناکام ہوئیں۔ کامیابی تو درکنار دینی جماعتوں کو پچھلے انتخابی نتائج سے بھی خراب نتائج کا سامنا کرنا پڑا اور سیاسی منظرنامہ میں اسلام پسند افراد کی کمی کی وجہ سے مغرب اور یورپ نے خوشیاں منائیں۔ اب اسلام کے ہر شیدائی کے دل میں ایک سوال ابھرتا ہے کہ دینی جماعتوں کی ناکامی کی وجہ کیا ہے؟ کیا دینی جماعتوں کی ناکامی عوام کی اسلام سے عدم دلچسپی کا ثبوت ہے یا دینی رہنماؤں کی غلط حکمت عملی کا نتیجہ؟

یقیناً پہلے سوال کا جواب نفی ہی میں ہوگا کیونکہ بحمداللہ ہمارے عوام الناس کی اکثریت دینی فکر اور اسلامی سوچ رکھتی ہے۔ معدودے چند افراد ایسے ہیں جو سیکولرازم کے حامی ہیں۔ مگر ہمارا المیہ یہ ہے کہ دین پسند افراد کا بہت بڑا ووٹ بینک دینی جماعتوں کی نامناسب حکمت عملی اور تفرقہ بازی کی بدولت تقسیم ہوجاتا ہے اور اس طرح کوئی دینی جماعت بھی اس پوزیشن میں نہیں ہوتی کہ وہ انتخابات میں کامیابی حاصل کرے اور یوں عوام کی اسلام پسندی کے باوجود وطن عزیز میں اسلامی نظام کے قیام کی طرف پیش رفت نہیں ہوتی۔ نہایت افسوس کا مقام ہے کہ ایک خدا کے ماننے والے' ایک رسول کے نام لیوا' ایک نظام کے داعی دست و گریباں ہیں۔ ہم سب صحیفہ انقلاب قرآن حکیم پر ایمان رکھتے ہیں' اس کے اوامر و نواہی کو نوع انسانی کے لئے وسیلہ نجات سمجھتے ہیں مگر خود قرآن حکیم کے حکم " واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا " کی عملی تکذیب کر رہے ہیں۔ ہماری اسی زبوں حالی پر اقبال نے فرمایا تھا۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی' اللہ بھی' قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

اتفاق و اتحاد کے وعظ تو کہے جاتے ہیں مگر بنی اسرائیل کے علماء کی طرح ایسا معلوم ہوتا ہے کہ "اتأمرون الناس بالبر وتنسون انفسکم وانتم تتلون الکتاب افلا تعقلون " (کیا تم لوگوں کو تو نیکی کا حکم کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو' حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو' کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے") کے مصداق ہمارے علما بھی اپنے آپ کو بھول جاتے ہیں خود اتحاد و اتفاق کا مجسم نمونہ پیش نہیں کرتے اور یہ وہ بات ہے جو رب کائنات کے ہاں بڑی بیزاری کی وجہ ہے۔ جیسے فرمایا " لِمَ تقولون مالا تفعلون کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا مالا تفعلون " آج ہماری دینی جماعتوں اور دینی و مذہبی رہنماؤں کا یہی حال ہے۔

حالیہ انتخابات تینوں بڑی جماعتوں اسلامک فرنٹ' اسلامی جمہوری محاذ اور متحدہ دینی محاذ میں ایڈجسٹمنٹ پر بھی زوردار بیان دیئے گئے مگر دوسری طرف بعض حلقوں میں ایک دوسرے کے خلاف اپنے امیدوار بھی میدان میں اتارے گئے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ ہم ایک ہی پلیٹ فارم سے لاثانی' عالم گیر اور منصفانہ نظام کے لئے جدوجہد کیوں نہیں کرتے؟ قیادت کا مسئلہ اس اتحاد کی راہ میں آڑے تو نہیں آرہا؟ اگر ایسا ہی ہے تو خدارا پہلی صورت میں اس انانیت کے بت کو پاش پاش کیجئے اور اللہ کے واسطے ایک عظیم حزب اللہ کے جھنڈے تلے جمع ہو کر مقابلہ کیجئے۔ اسی صورت میں حزب الشیطان (سیکولر قوتوں) کو شکست فاش دی جاسکتی ہے۔

ہم اسلامی نظام کے داعی ہیں' نبی کریم ﷺ کی حیات مطہرہ ہمارے لئے اسوہ ہے' رسول اکرم ﷺ کی ذات پاک جس طرح بحیثیت استاد' باپ' بیٹا' قاضی' سپہ سالار' مبلغ' سربراہ ریاست اور زندگی کے دیگر شعبوں میں ہمارے لئے کامل نمونہ ہے اسی طرح آپ ﷺ کا لایا ہوا انقلاب بھی ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ تاریخ دانتوں میں انگلی دبائے حیران کھڑی ہے کہ رسول عربیؐ نے تاریخ انسانی کا عظیم ترین اور ہمہ گیر انقلاب تیئس برس کے قلیل عرصے میں کیسے برپا کر دکھایا؟ اگرچہ انقلاب محمدؐ ایک رسول کا انقلاب تھا جس میں اللہ تعالیٰ کی مشیت خصوصی کا بنیادی عمل دخل ہے' لیکن انقلاب محمدیؐ کے ظاہری اسباب پر ہم نگاہ ڈالیں تو پتہ چلتا ہے کہ ظاہری اسباب میں سب سے بڑا سبب دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ مضبوط جماعت بندی " وسمعنا واطعنا " والا ڈسپلن اور صحابہ کرامؓ کے مابین عظیم رشتہ اخوت اور اتحاد باہمی کی موجودگی ہے۔ آپ نے اپنی تعلیم و تربیت سے صحابہ کرامؓ کو ایک جسم کی مانند متحد کیا۔ آپ کے صحابہؓ آپ کے اشاروں پر گردنیں کٹانے کے لئے تیار رہتے تھے۔ اسی لاثانی اتحاد و اتفاق اور بھائی چارے کا نتیجہ تھا کہ وقت کی دو عظیم ترین سلطنتیں روم و ایران آپ کے تربیت یافتہ صحابہؓ کے زیر سایہ آگئیں۔ اگر ہم صحیح معنوں میں اقامت دین اور غلبہ دین حق کے اہم دینی فریضے سے عہدہ برآ ہونے کے خواہاں ہیں اور وطن عزیز میں اللہ تعالیٰ کے نظام کے متمنی ہیں تو ہمیں اتحاد باہمی' اتفاق اور تعاون کو فروغ دینا ہوگا پھر اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید بھی ضرور ہمارے شامل حال رہے گی۔ بقول اقبال۔

مثل کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی
اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لاتخف

مگر ہم ہیں کہ کہنے کو تو انبیاء کے وارث مگر ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنائے بیسیوں فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ حالانکہ ہمارا دین ہمیں اتحاد کا درس دیتا

ہے۔ اسلام کے پانچ ارکان بالخصوص نماز اور حج تو اتحاد باہمی کا واضح مظہر ہیں کہ جب ملت اسلامیہ کے افراد رنگ و نسل امیر و غریب' کالے گورے' عربی عجمی کے امتیازات کو مٹا کر ایک حزب اللہ بن جاتے ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر ہم اسلام کا عادلانہ نظام لانا چاہتے ہیں تو ہمیں اس کے لئے بنیادیں بھی کتاب اللہ اور سیرت رسول ﷺ سے اخذ کرنا ہوں گی۔ داعی انقلاب کی طرح دعوت و تبلیغ سے تجدید ایمان کی عمومی تحریک اور عامتہ المسلمین کے ذہنوں میں اسلامی نظام کی برکات و ثمرات اور اس کی ضرورت و اہمیت کو راسخ کرنا ہوگا' مگر آج تو ہم ان ذمہ داریوں سے پہلو تہی کئے ہوئے ہیں۔ ہمارا حال یہ ہے کہ داعی اعظم کے طریق انقلاب پر ایمان تو رکھتے ہیں مگر اس کو اپنے لئے مشعل راہ نہیں بناتے' اسوۂ رسول کے دعوے تو کرتے ہیں مگر آپ کے اسوۂ حسنہ پر عمل نہیں کرتے۔ انقلاب اسلامی کے لئے قرآن کے سرمدی اصولوں کو تسلیم تو کرتے ہیں مگر انہیں اپناتے نہیں۔ استخلاف فی الارض کے لئے ایمان و عمل صالح کی شرائط کو تو تسلیم کرتے ہیں مگر ان کا حق کماحقہ ادا نہیں کرتے۔ علمائے کرام اور دینی جماعتوں کے اکابرین کو یہ حقیقت ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ پیغمبر انقلاب کے انقلابی منہج کو چھوڑ کر انتخابی راستے انقلاب اسلامی کی منزل حاصل نہیں کی جاسکتی۔ چنانچہ اب ضروری ہے کہ انتخابی طریقے کو چھوڑ کر انقلاب اسلامی کے لئے انقلابی طریق کار اختیار کیا جائے کیونکہ انتخابی طریقے سے اسلامی انقلاب کی منزل تک پہنچنے کی بجائے منزل مزید دور ہوتی جارہی ہے۔ اس کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ ہمارے ووٹروں کی بھاری اکثریت دیہی علاقوں پر مشتمل ہے جہاں پر وڈیرہ شاہی اور جاگیرداری کے تسلط کی وجہ سے دیہی آبادی کا ووٹ بینک بادل نخواستہ وڈیروں کو ہی جاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ دین کی دعوت و تبلیغ کا کام بھی ابھی کماحقہ نہیں ہوا۔ بہرحال اگر انتخابی راستے کو اختیار کرنا ضروری ہی سمجھا جاتا ہے ع "اور چھٹتی نہیں ہے منہ کو یہ کافر لگی ہوئی" والی ہی بات ہے تو پھر کم از کم دینی جماعتوں کو کسی دوسری جماعت کی کامیابی کا زینہ بننے کی بجائے خود دینی جماعتیں اپنے اندرونی انتشار و افتراق کو ختم کرکے جب تک ایک ہی حزب اللہ کی وحدت میں ایک گرینڈ الائنس تشکیل نہیں دے دیں گی تو محض کھوکھلے نعروں سے اسلامی انقلاب جیسے عظیم مقصد کی امید رکھنا دانشمندی نہیں بلکہ خود فریبی اور سعی لا حاصل ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خود فرماتے ہیں " ولا تنازعوا فتفشلوا وتذهب ريحكم " (اور باہم تنازعہ مت کرو ورنہ تم کمزور ہوجاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی) تمہاری اجتماعی قوت کا شیرازہ بکھر جائے گا اور پھر تم کوئی بھی مثبت کام نہ کرسکو گے۔

اگر ہمیں اللہ تعالیٰ کے فرامین کی حقانیت پر حقیقی ایمان حاصل ہے اور ہم صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کی حاکمیت چاہتے ہیں تو پھر خدارا آج ہی اپنی اپنی بغل کے مرغ نکال باہر کیجئے' اپنی اپنی جماعتوں اور قیادت کی قربانی دے کر ایک امیر کی زیر امارت ایک ہی حزب اللہ میں مدغم ہوجائیے' باہم الجھنے کی بجائے سیکولر قوتوں کے اس طوفان کا مقابلہ کیجئے جو اسلام کو بہالے جانے کی فکر میں ہے۔ یہی وہ صراط مستقیم ہے جس پر چل کر ہم دنیا میں بھی کامیاب ہوسکتے ہیں اور آخرت میں بھی فوز و فلاح کے حق دار بن سکتے ہیں۔ ○○

اسے کیا کہئے؟

ہمارے یہ کرم فرما قاری ڈاکٹر اسرار احمد صاحب سے جو توقعات رکھتے ہیں' وہ اپنی جگہ لیکن ہم جانتے ہیں کہ انہیں مہدی یا مسلمانوں کا وہ قائد بننے کا خیال کبھی نہیں آیا جو ان شاء اللہ آخری مرحلے میں احیائے اسلام کی عالمی تحریک کی رہنمائی کرے گا۔ وہ اپنی سی محنت کرکے اپنے رب کے حضور اس کی خوشنودی کی آرزو کے ساتھ حاضر ہونا چاہتے ہیں' جو راہ انہوں نے دکھائی ہے اس پر آگے بڑھنے کے لئے "اور آئیں گے عشاق کے قافلے"------مدیر

محترم المقام جناب اقتدار احمد صاحب مدظلہ

السلام علیکم ورحمہ اللہ وبرکاتہ

بانی تحریک نظام خلافت پاکستان کے خطبات خلافت کی چار اقساط موصول ہوئیں۔ نہایت شرح وبسط کے ساتھ جناب ڈاکٹر صاحب مدظلہ نے امت مسلمہ کی عظمت رفتہ کی بحالی کا "علاج" تجویز کردیا ہے۔ آخری قسط میں مژدہ جانفزا سنایا کہ.....

خون اسرائیل آجاتا ہے آخر جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری

"اب حضور ﷺ کی امت میں سے ہی وہ عظیم قائد (مرد کامل) اٹھے گا جو مہدی کے نام سے مشہور ہوگا' قائد کا لفظ استعمال کیا گیا ہے ظہور مہدی کا نہیں" حقیقت یہ ہے کہ وہ قائد یقیناً پاکستان کی سرزمین پر ضرور موجود ہے۔ کیونکہ اللہ پاک نے اس مرد کامل کی جستجو اسی خطے کے اہل بصیرت' صاحبان علم و دانش کے شعور میں عطا کردی ہے۔

ہماری نیت کا اخلاص اور نظام خلافت کا احیا و کامیابی کا دارومدار صرف اور صرف اس نکتہ پر جم جانا چاہئے کہ ہم اس عظیم قائد (مرد کامل) کو تلاش کریں جس کے بارے میں اللہ پاک نے ہمیں اس کا شعور عطا فرمایا ہے۔ کیونکہ وہ "قائد" خود اپنی قیادت کا اعلان ہرگز نہیں کرے گا جب تک صاحبان علم و دانش.... اس کی حقیقت' اس کے دینی اعمال' اس کی روحانی قوت کا کامل ادراک نہ کریں اور خود اس سے التجا نہ کریں کہ اے ہمارے قائد محترم اب اس امت مسلمہ پر اپنے رب سے کامیابی و کامرانی کے لئے دعا کریں اور ہماری "قیادت" کریں۔

فقط تقاریروں' تحریروں اور تحریک سے اپنے قلب و باطن کو تسلی دے کر یہ تصور کرلینا کہ ہم نے اپنا "دینی فرض" پورا کردیا ہے' قوم کو آگاہ کردیا ہے' آنے والے خطرات کی نشان دہی کردی ہے۔ اب اگر قوم عمل کرے گی تو عذاب الٰہی سے بچ جائے گی ورنہ تباہی و بربادی اس کا مقدر ہوگی۔ ایسا تصور اپنے نظریہ' گوہر مقصود پانے کی کامل یقینی کی نفی ہے۔

لہٰذا بندۂ ناچیز نہایت ادب کے ساتھ یہ جسارت کررہا ہے کہ نہ تو ناچیز دین کا طالب علم ہے۔ نہ قرآن و حدیث کا کامل فہم و ادراک رکھتا ہے۔ بس آپ جیسے نیک خصلت انسانوں کی صحبت کا فیض ہے کہ جو کچھ ان خطبات کے مطالعہ کے بعد میرے قلب پر اللہ پاک نے ظاہر کیا اس کو قلم کا سہارا لے کر آپ تک اپنے جذبات کا اظہار کردوں۔

آخر میں اپنے ایمان و یقین کے اظہار کے لئے بشارت دیتا ہوں اور وہ بھی آپ ہی کے الفاظ میں کہ ..... انشاء اللہ خلافت کا احیاء یہاں سے (پاکستان) سے شروع ہوگا" اور یہ کامل یقین رکھیں کہ..... تبدیلی تو یہاں سے ہی آئے گی"۔ ان شاء اللہ

والسلام

(الحاج) ظہور حسین عفی عنہ

مکان نمبر ۱۱۱۰' محلہ محب علی شاہ

کمالیہ' ضلع ٹوبہ ٹیک سنگھ

نئے دور کی اسلحہ سازی

اخذ و ترجمہ: سردار اعوان

بدلتی دنیا کی ایک ضرورت "بے ضرر ہتھیار" بھی ہیں

"دنیا بدل رہی ہے' ہماری موجودہ استعداد ہمارے اس کام سے مطابقت نہیں رکھتی جو آئندہ ہمارے پیش نظر ہے۔ یہ احساس بڑھ رہا ہے کہ ہمیں نئے ہتھیار درکار ہیں"۔ یہ الفاظ واشنگٹن کے مرکز برائے سٹریٹجک اور مطالعہ عالم کے ڈان گورے' (Dan Goure) کے ہیں۔ امریکہ کی فوجی تاریخ میں پہلی دفعہ غیر مہلک ہتھیاروں کی تیاری کے لئے باضابطہ کوشش سامنے آئی ہے۔ صومالیہ میں پیش آنے والے تجربات کی روشنی میں ڈیفنس انڈر سیکرٹری جان ڈوش (John Deutech) نے پینٹاگان کی ایک ٹیم مقرر کی ہے جو غیر مہلک ہتھیاروں کی تیاری کا جائزہ لے گی۔ ان ہتھیاروں کی تیاری کا اصل مقصد یہ ہے کہ امریکہ کو "تیس مار خان" ایسی حکومتوں یا ادھر ادھر کی باغیانہ سرگرمیوں پر قابو پانے کے لئے خواہ مخواہ کسی جنگ میں الجھنے کی سردردی مول نہ لینی پڑے۔ مثال کے طور آپریشن ڈیزرٹ سٹارم کی پہلی رات امریکی بحریہ کی طرف سے جو کروز میزائل داغے گئے تھے ان کے ذریعے بغداد کے گردونواح میں واقع بجلی گھروں پر لاکھوں کی تعداد میں صرف کاربن کے باریک باریک ذرات کی بارش کی گئی۔ جس سے ان بجلی گھروں کو نقصان پہنچائے بغیر عراق کے دفاعی نظام کو ناکارہ بنا دیا گیا۔ فضائیہ کے کرنل جان وارڈن کا کہنا تھا کہ "ہمارا مقصد عراق کو شکست دینا تھا نہ کہ تباہ کرنا"۔ (یہ الگ بات ہے کہ بعد میں ہوائی حملوں کے ذریعے ان بجلی گھروں کو بھی راکھ کا ڈھیر بنا دیا گیا گویا ایک مقصد نئے ہتھیاروں کی آزمائش کرنا بھی تھا۔)

وارڈن جیسے نیا ذہن رکھنے والے فوجی ماہر سمجھتے ہیں کہ یہ ٹیکنالوجی پہلے ہی خاصی پھیل چکی ہے۔ لیزر' مائیکروویوز' ساؤنڈ ویوز' سٹروب لائٹس' میگنیٹک پلز' مائیکروبس' کیمیکلز' کمپیوٹر وائرس' یہاں تک کہ بڑے بڑے جال ایسی ٹیکنالوجی کا حصہ ہیں جس کے ذریعے امریکی افواج کسی بھی ہجوم بلکہ ایک پوری قوم کو بے بس کر سکتی ہیں۔ کسی بڑے بے قابو ہجوم کو زیر کرنے کے لئے "بین بیگ" گولیاں' کیمیکل سپرے اور شور پیدا کرنے والے جنریٹر کار آمد ہیں۔ ان سے بھی آگے سپر کاسٹک' کیمیکل ہیں جو دھات' ربڑ یا پلاسٹک میں سے پار ہو کر ٹینک اور کسی بھی دوسری مشین کو بے کار کر سکتے ہیں۔ سب سے تباہ کن الیکٹرو میگنیٹک پلز' ہائی پاور مائیکروویوز اور کمپیوٹر وائرس ہیں جو بجلی اور الیکٹرانک سسٹم کو ناکارہ کر کے کسی بھی ملک کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔

بعض ہتھیار تو بالکل سمجھ سے بالاتر ہیں۔ ان دو غیر مہلک ہتھیاروں کو ہی لیجئے جو ایک انتہائی خفیہ تجربہ گاہ' سنڈیا نیشنل لیبارٹریز' میں تیار کئے گئے ہیں۔ یہ ہتھیار صومالیہ اور ہیٹی میں بہت کار آمد ثابت ہو سکتے تھے۔ یہ ہتھیار اصلاً ان جوہری ہتھیاروں کی حفاظت کے لئے تیار کئے گئے تھے جو امریکی افواج کے لئے سٹوریج بنکروں میں رکھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ اس بات کا امکان موجود تھا کہ کوئی دہشت گرد وہاں کسی طرح رسائی حاصل کر کے ان ہتھیاروں کو "یرغمال" بنا کر اس پورے خطے کو آلودہ کرنے کی دھمکی دے دے۔ ظاہر ہے وہاں پر کسی آتش گیر مادے یا گولی سے اس کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ اس کے لئے عجیب قسم کے دو جھاگ تجویز کئے گئے۔ ایک تو ایسا چپک کر رہ جانے والا جھاگ ہے جو ہوا لگنے سے مسام دار گوند کی شکل اختیار کر لیتا ہے اور انسان کو جکڑ لیتا ہے۔ دوسرے قسم کا جھاگ کانوں اور آنکھوں میں گھس کر دیکھنے اور سننے سے محروم کر دیتا ہے اور آدمی اس وقت تک کوئی حرکت نہیں کر سکتا جب تک کہ جھاگ زائل نہ ہو جائے۔

بعض ایسے کیمیکلز ایجاد ہو چکے ہیں جو گاڑیوں کی حرکت کو ناممکن بنا دیتے ہیں۔ ان کے استعمال سے سڑک کی سطح پر اتنی پھسلن ہو جاتی ہے یا سطح ایسی چپکنے والی ہو جاتی ہے کہ اس پر ٹینک اور ٹرک کا گزرنا مشکل ہو جاتا ہے۔

اب شعاعی ہتھیاروں پر آئیں۔ جس طرح لیزر آلات روایتی ہتھیاروں کو بالکل ٹھیک نشانے پر فائر کرنے میں کار آمد ہیں۔ اسی طرح دفاع کے لئے بھی استعمال میں لائے جاتے ہیں۔ حملہ آور جہاز کے پائلٹ کی آنکھیں چندھیا کر یا دشمن کے ٹینک کی دیکھنے کی طاقت کو مفلوج کر کے حملہ ناکام بنایا جا سکتا ہے۔ لیزر کی ایسی اقسام جن کے ذریعے کسی ــــ کو قتل کیا جا سکتا ہے لیکن روایتی ہتھیاروں کے برعکس اس کی طاقت کو کم کر کے مخالف کو صرف ناکام کرنے پر بھی اکتفا کیا جا سکتا ہے۔

نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف جسٹس کے سائنس اور

(باقی صفحہ ۲۲ پر)

ایئر کرافٹ:

لیزر آلات' جو دشمن کے پائلٹ کو راستے سے بھٹکا سکتے ہیں اور کاک پٹ کے بورڈ پر آنے والی معلومات میں گڑبڑ پیدا کر سکتے ہیں۔ ایسا سیال مادہ گرایا جا سکتا ہے جو فوراً دھات کو بھربھرا بنا دیتا ہے۔

پیدل دستے: تیز آواز کے جنریٹر سے اتنی آواز پیدا کر سکتے ہیں کہ اس سے درد ہونے لگے مگر مخصوص آلات کے باعث وہ خود اس سے محفوظ رہتے ہیں۔ آنکھوں کو خیرہ کرنے والی سرخ اور نیلی روشنیوں کے ذریعے ہجوم میں شامل لوگوں کو متلی اور قے ہونے لگتی ہے۔ ایک گھناؤنی قسم کی تیز بو پھیلا کر مخالف دستوں کی نقل و حرکت روک دی جاتی ہے۔ دنیا کا تیز ترین چندھیا دینے والا بلب وقتی طور پر دیکھنے والوں کو اندھا کر دیتا ہے۔

ٹینک:

بڑی طاقت کے مائیکروویو سے گولہ باری کرنے والے سسٹم کو ناکارہ بنایا جا سکتا ہے۔ غیر جوہری الیکٹرو میگنیٹک لہروں کے ذریعے ریڈیو' کمپیوٹر اور بجلی کے سرکٹ بند کئے جا سکتے ہیں۔

ٹرک:

مائیکروبس کے ذریعے انجن میں لگے ربڑ کے پائپ' بیلٹ اور بجلی کے تاروں کی انسولیشن کو نقصان پہنچایا جا سکتا ہے۔ بعض آتشی ذرات کے ذریعے انجن کو جلایا جا سکتا ہے۔ سڑکوں پر ایک کیمیکل چھڑک کر گاڑیوں کی آمدورفت میں رکاوٹ پیدا کی جا سکتی ہے۔ ایسے مرکبات موجود ہیں جو ڈیزل اور پٹرول کو جیلی کی شکل میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

بقیہ: سیزدی مومنٹ

۳- علاقائی دولت کی نئی تقسیم کی خام خیالی

جیسے ہی خلیجی جنگ ختم ہوئی' مغربی پالیسی سازوں نے علاقے کی دولت میں حصہ داری پر زور دینا شروع کردیا جس کے ذریعے اربوں ڈالر تیل کی دولت سے مالا مال عرب ممالک سے غریب عرب ملکوں کی طرف منتقل ہونے چاہئیں۔ خلیجی تعاون کی کونسل (جی سی سی) نے فوراً ہی دس ارب ڈالر کے علاقائی ترقیاتی فنڈ کے قیام کی حمایت بھی کردی لیکن بدقسمتی سے ماضی میں ایسی کوششوں کے نتائج کی روشنی میں موجودہ کوششوں کی کامیابی کے امکانات بہت کم ہیں کیونکہ عموماً یہ تعاون سیاسی مصلحتوں کے زیر اثر رہا نہ کہ حقیقتاً اس ملک کی معاشی ترقی کے لئے اور وہ سرمایہ جو ایک حکومت سے دوسری حکومت کو امدادی پروگراموں کے تحت دیا گیا وہ عام طور پر معیشت کی بہتری پر نہیں بلکہ غیر ترقیاتی کاموں پر صرف کردیا گیا' مثلاً مصنوعی یا پرتعیش ضروریات کے منصوبوں پر یا پھر گورنمنٹ کے زیر انتظام اداروں کے شاہی اخراجات کو پورا کرنے پر۔

دنیائے عرب میں تیل کی آمدنی کی تقسیم آبادی کے بعض حصوں کی امارت یا غربت کے لئے نہیں بلکہ پورے خطے کی حالت سنوارنے کی غرض سے ہونی چاہئے۔ سعودی عرب اور خلیجی ریاستیں محض اس لئے مالدار نظر آتی ہیں کہ ان کی جملہ آبادی صرف ۲ کروڑ ہے۔ یہاں کے شہزادوں کی شاہ خرچی اور ٹھاٹ باٹ سے یہ قیاس کیا جاتا ہے کہ یہاں دولت کے انبار لگے ہوئے ہیں حالانکہ حقائق کچھ اور ہیں۔ پورے سعودی عرب کی قومی پیداوار بیاسی ارب ڈالر ہے جو اس رقم سے بھی کم ہے جو امریکہ ایک سال میں صرف صحت عامہ پر خرچ کرتا ہے۔ اگر تیل کی پوری آمدنی تمام عربوں میں برابر تقسیم کی جائے تو فی کس آمدنی ۲۳۰۰ ڈالر سالانہ ہوگی جبکہ مغربی یورپ کی فی کس آمدنی بیس ہزار ڈالر سالانہ ہے۔ مشرق وسطیٰ میں غربت کا مسئلہ صرف آزاد تجارت اور کھلی منڈی کی معیشت کے ارتقاء سے حل ہوسکتا ہے۔ امدادی اور خیراتی رقوم سے کچھ نہیں بنے گا کیونکہ اس طرح تو بعض غریب اقوام مستقل طور پر دوسروں کی دست نگر بن کر رہ جائیں گی----- (جاری ہے...)

بقیہ: "خبریں" کو انٹرویو

جیسے حضورؐ نے بارہ سال تک ہر رنج سہنے کے باوجود صحابہؓ کو صبر و ضبط کا خوگر بنائے رکھا تھا۔ ہم انقلاب کے لئے سڑکوں پر بھی آئیں گے لیکن صرف سسٹم کو ہلاک کرنے کے لئے' تشدد کے نقطہ نظر سے نہیں کیونکہ عدم تشدد ہی اس تحریک کی کامیابی کی پہلی شرط ہے۔

س :- اخبارات کے رنگین ایڈیشنوں کو آپ پسند نہیں کرتے۔ اس کی وجوہات بتائیں گے؟

جواب :- میں آپ کو صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ رنگین ایڈیشنوں کی یہ بدعت صرف پاکستان اور ترکی میں موجود ہے۔ دنیا میں کہیں بھی اخبارات کے ساتھ کلیمر سے پر صفحات شائع نہیں کئے جاتے۔ اخبارات کے رنگین ایڈیشن علیحدہ چھپنے اور لکھنے چاہئیں۔ کوئی انہیں لینا چاہتا ہے لے' جو نہیں لینا چاہتا اسے زبردستی وہ نہ ٹھونسا جائے۔ اس سلسلے میں اردو کے ایک دو بڑے اخبارات جرات کریں تو یہ بدعت ختم ہو سکتی ہے۔ ان ایڈیشنوں کو بند کر کے اگر اخبار کو سستا کردیا جائے تو یہ بہت اچھا اقدام ہوگا۔

بقیہ: ایٹمی پروگرام

مستقبل کے فیصلہ کیسے درست ہوں گے؟۔

امریکہ اور عراق کی جنگ کے دوران جنرل مرزا اسلم بیگ کا خیال تھا کہ یہ ایک طویل جنگ ہوگی اور کوئی فریق فیصلہ کن فتح حاصل نہیں کرسکے گا لیکن فی الحقیقت یہ ایک مختصر اور انتہائی فیصلہ کن جنگ ثابت ہوئی۔ اب وہ نوائے وقت میں لکھتے کہ ایٹمی توانائی کا حصول (ان کا اصل مطلب ہے ایٹمی ہتھیاروں کا حصول) ہماری بقا کا مسئلہ ہے۔ ہندوستان نے ۱۹۷۴ء میں ایٹمی دھماکہ کیا تھا۔ پاکستان بوجوہ اب تک ایٹمی دھماکہ نہیں کرسکا۔ پوچھا جاسکتا ہے کہ ان بیس سالوں میں ایٹمی ہتھیار نہ ہونے سے پاکستان کے بقا کو کون سا خطرہ لاحق ہوا ہے؟ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے دس دسمبر کے خطبے میں فرمایا ہے کہ کشمیر کی آزادی کے لئے ہمیں اللہ پر توکل اور اپنے زور بازو پر بھروسہ کرنا ہوگا۔ آج کے دور میں زور بازو دراصل ملک کی اقتصادی طاقت اور خوشحالی ہوتی ہے۔ جو ملک اقتصادی اور کاروباری لحاظ سے کامیاب ہیں' جہاں روزگار' صحت اور تعلیم عام میسر ہے' وہی ملک دفاعی لحاظ سے بھی طاقتور ہیں۔ مضبوط دفاع کی بنیاد مضبوط معیشت ہے۔ کمزور معیشت پر جو دفاع کھڑا کیا جائے گا وہ بظاہر تو مضبوط نظر آئے گا مگر اندر سے کھوکھلا ہوگا۔ سوویت یونین کی مثال سامنے ہے جہاں طاقتور دفاع کے باوجود کمزور معیشت کی وجہ سے ملک کا شیرازہ بکھر گیا۔ اگر پاکستان کے دانشور' مفکر اور ریٹائرڈ جنرل صاحبان اپنی توجہ ملک کے عملی مسائل مثلاً صحت' روزگار' غربت' گندگی' بددیانتی' رشوت جرائم اور منشیات کی طرف مبذول کریں تو کہیں زیادہ مثبت نتائج برآمد ہوں گے۔ جنرل اسلم بیگ نے اپنی تحریر کے آخر میں جس اندرونی خلفشار کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے بچنے کا بھی یہی واحد طریقہ ہے۔OO

بقیہ: اسلحہ سازی

ٹیکنالوجی کے ڈائریکٹر' ڈیوڈ بائیڈ (David Boyd) کا کہنا ہے کہ غیر مہلک ہتھیاروں کی تیاری کوئی مسئلہ نہیں۔ اب تک جو تجربات ہو چکے ہیں ان کی روشنی میں فوری طور پر اور کم لاگت پر یہ ہتھیار مہیا کئے جا سکتے ہیں۔ تاہم ان ہتھیاروں کو عام کرنے میں ابھی کچھ مسائل درپیش ہیں۔ ان میں ایک تو بین الاقوامی قوانین کا مسئلہ ہے جس کی رو سے بیشتر کیمیکل اور بائیالوجیکل ہتھیاروں پر پابندی عائد ہے۔ دوسرا افواج کی ٹریننگ کا مسئلہ ہے کہ اسے مہلک ہتھیاروں سے ہٹ کر غیر مہلک ہتھیاروں کے استعمال کا عادی بنانا ہوگا۔ تیسری بات یہ ہے کہ یہ سارا سلسلہ الٹا پڑ سکتا ہے۔ مثال کے طور اگر صومالیہ یا ہیٹی میں امریکی فوج مخالفین کو جان سے مارے بغیر قابو کرنے کی کوشش میں خود گولیوں کا نشانہ بن گئی تو امریکی حکومت کیا جواب دے گی۔؟ اس کے علاوہ ایسے ہتھیار خود امریکہ کے خلاف استعمال ہو سکتے ہیں کیونکہ جتنا کوئی معاشرہ زیادہ پیچیدہ ہو گا اتنا ہی زیادہ آسانی سے ایسے ہتھیاروں سے شکار ہو گا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود کچھ عرصے بعد امریکی فوجی دستوں کی طرف سے کسی بے قابو ہجوم کے خلاف ایسے ہتھیاروں کا استعمال غیر متوقع نہیں۔ ان میں ایسے آلات شامل ہیں جن کے ذریعے کسی جگہ چھپے ہوئے بندوقچیوں کا پتہ چلایا جاسکتا ہے۔ اگر باغیوں کی طرف سے ٹرانسمیٹر کے ذریعے امریکہ مخالف پروپیگنڈہ کیا جارہا ہو تو امریکی فضائیہ کے پاس پہلے ہی ایسے ٹرانسمیٹر موجود ہیں جو ان نشریات کو امریکہ کی مدح میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ روس کا تیار کردہ ایسا ریڈار سسٹم موجود ہے جو مکانوں کے اندر چھپے ہوئے تخریب کاروں کو دیکھ سکتا ہے اور ایسی لیزر رائفل جس سے اگر چاہیں تو آدمی کو صرف "ششدر" کردیں اور چاہیں تو جان سے ماردیں' جلد منظر عام پر آنے والے ہیں۔

انجینئر مختار حسین فاروقی — اظہر سعید عاصم

خیال کیا۔ ان مایوس کن حالات اور مستقبل کے فوری خطرات کی تاریکیوں کے پردے سے نمودار ہونے والی اس صبح جانفزا کا مژدہ بھی سنایا جو نظام خلافت کے قیام کا نتیجہ ہوگا۔ ان سہ روزہ خطبات خلافت میں داعی تحریک نے نظام خلافت کے سیاسی ڈھانچے یعنی جدید اسلامی ریاست کے خدوخال' نظام معیشت کے اصول اور معاشرتی نظام پر مفصل و مدلل گفتگو فرمائی۔ آخری خطبے کا موضوع نظام خلافت کے قیام کا نبوی طریق کار تھا۔ داعی تحریک نے اسلامی انقلاب کے مدارج و مراحل کو بڑی تفصیل سے بیان کیا۔

ان تین روزہ خطبات میں حاضری بھی مناسب رہی۔ خطبات خلافت کے پہلے روز حاضری ۳۵۰ تھی جبکہ بقیہ دنوں میں پانچ اور چھ سو کے درمیان رہی۔ اس سہ روزہ پروگرام کے شرکاء کی اکثریت اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات پر مشتمل تھی جنہوں نے اس پروگرام کو انتہائی انہماک و استغراق کے ساتھ سنا۔ خطبات خلافت کا اختتام ۳۰ مارچ کو ہوا۔

۳۱ مارچ کو ساڑھے آٹھ بجے سے دس بجے تک سوال و جواب کی نشست کا اہتمام کیا گیا۔ یہ محفل بھی نہایت ہی دلچسپ اور مفید رہی۔ اپنے اس سفر کے دوران میں داعی تحریک نے روزنامہ "خبریں" کو ایک تفصیلی انٹرویو بھی دیا جو کچھ ہی دنوں بعد شائع بھی ہوا۔ اسی روز اخبارات کے ایڈیٹر اور رپورٹر حضرات کے ساتھ کھانا کھایا اور مختلف موضوعات پر گفتگو فرمائی نیز انجمن خدام القرآن ملتان کی مجلس منتظمہ کے ساتھ ایک ظہرانے میں بھی شرکت کی۔ اس موقع پر مختلف احباب کے ساتھ ملاقاتیں بھی ہوئیں نیز رفقاء تنظیم سے بھی ملاقات ہوئی۔

ان تمام پروگراموں کو رفقاء تنظیم نے بڑی محنت اور جانفشانی سے کامیاب بنایا۔ اس سارے پروگرام کی کامیابی میں جناب سعید اظہر عاصم ناظم تحریک خلافت ملتان کی محنت اور سلیقہ مندی کا اعتراف نہ کرنا زیادتی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سب کی محنت و کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت بخشے۔ ○○

پنج پیر (سرحد) میں دفتر اور لائبریری کا قیام

میجر (ریٹائرڈ) فتح محمد

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ وہ افراد کی محنت' لگن اور اخلاص کو ضرور بار آور کرتا ہے۔ اسی فضل و کرم کا ظہور پنج پیر' ضلع صوابی مردان ڈویژن میں ۲۵ مارچ جمعۃ المبارک ۱۹۹۴ء کو ہوا۔ اس مقام پر ایک دفتر و لائبریری کا قیام عمل میں آیا۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔ یہ آج سے کئی سال پہلے کی بات ہے کہ موضع پنج پیر سے تنظیم اسلامی کو ایک جواں سال اور پر عزم رفیق میسر آیا۔ اس چراغ سے ایک چراغ اور جلا یعنی ایک اور رفیق تنظیم میسر آیا اور بھائی سلیمان کو اپنے حقیقی بھائی اصغر کی رفاقت نصیب ہوئی۔ مگر اس سے قبل بھائی سلیمان کو اپنے حلقہ احباب میں سے بھی کئی دوستوں کو قافلہ تنظیم میں شامل کرنے کا موقع ملا تھا۔ انہی کی کوششوں سے پنج پیر کے جواں حوصلہ رکھنے والے بزرگ ساتھی استاد حضرت گل کی تحریک خلافت میں شمولیت ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کی دن رات کی لگن اور جوان ساتھیوں کی محنت' کوشش' اخلاص اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی نصرت و تائید سے مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۹۴ء کو تنظیم اسلامی اور تحریک کے دفتر کی افتتاحی تقریب سادگی مگر پروقار طریقے سے منعقد ہوئی۔

بھائی اصغر' حامد نواز' حضرت گل اور تمام دیگر معاونین خلافت و رفقاء تنظیم کی کوششوں سے پنج پیر میں ایک نظم کی بنیاد ڈال دی گئی ہے' جس نے اپنے دفتر کے قیام کو اولین اہمیت دی۔ راقم عید کے موقع پر بھائی اصغر سے جب ملنے گیا تو انہوں نے ۲۵ مارچ کو پشاور کے ذمہ دار حضرات کو اس دفتر کی افتتاحی تقریب کے لئے پر زور دعوت دی۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ مورخہ ۲۴ مارچ ۹۴ء کو بوقت عصر خود دفتر تنظیم اسلامی آئے اور دفتر کی افتتاحی تقریب کے لئے پھر اصرار کے ساتھ دعوت دی۔ راقم نے ڈاکٹر مقصود صاحب سے پہلے ہی طے کرلیا تھا کہ پنج پیر جانا ہے۔ اس کے ساتھ دیگر رفقاء کو بھی دعوت دی۔ طے ہوا کہ مورخہ ۲۵ مارچ کو راقم' ڈاکٹر مقصود' ڈاکٹر مراد علی شاہ اور انجینئرنگ کالج کے طالب علم و برادر خورد ڈاکٹر مراد علی شاہ نماز فجر کے فوراً بعد روانہ ہوں گے۔ حسب پروگرام یہ مختصر سا قافلہ روانہ ہوا اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ کے سفر کے بعد پنج پیر جانے والے پیدل راستہ پر منی ویگن سے اترا۔ خوشگوار موسم اور بہار نے اپنی شادابی سے اس سفر اور تقریب کو اور بھی جلا بخشی۔ پنج پیر میں ساتھیوں کو منتظر پایا۔

تقریب کے لئے ۱۰ بجے کا وقت طے تھا۔ پہلے سلیمان بھائی کے چھوٹے بھائی حافظ رفیق نے تلاوت کلام پاک سے تقریب کا آغاز کیا۔ اس کے بعد بھائی حامد نواز نے حاضرین کو تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت کا مختصر تعارف کرایا اور اس میں تعاون کے لئے حاضرین کو دعوت دی۔ اس کے بعد حامد نواز صاحب نے ڈاکٹر مقصود صاحب کو درس قرآن کی دعوت دی۔ ڈاکٹر مقصود صاحب نے درس قرآن کے دوران تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت کے کام کا مفصل تعارف کرایا۔ انہوں نے تقریباً ۵۰ منٹ میں اپنا مدعا بیان کیا۔ اس کے بعد حامد نواز صاحب نے اصغر بھائی کو دعوت دی کہ وہ تحریک خلافت کی کارگزاری بیان کریں۔ جنہوں نے مختصر انداز میں اب تک کی کارروائی بیان کی اور پھر راقم الحروف کو دعوت دی کہ سامعین سے خطاب کرے۔

آخر میں مہمانوں کی تواضع سادہ چائے سے کی گئی اور پھر تمام حاضرین تحریک خلافت میں تقریباً پنج پیر کے چالیس کے لگ بھگ معزز اور تعلیم یافتہ لوگ شریک ہوئے جن کو لٹریچر اور ندائے خلافت کے پرچے دیئے گئے۔ اس طرح یہ تقریب اختتام پذیر ہوئی۔

WEEKLY "NIDA-E-KHILAFAT" LAHORE
36-K, Model Town Lahore- 54700 Regd:No L. 9184

سالانہ کنونشن

تحریک خلافت پاکستان

تحریک خلافت پاکستان کا سالانہ

کنونشن ان شاء اللہ العزیز

۳۰ اپریل بروز ہفتہ ساڑھے آٹھ بجے صبح تا تین بجے سہ پہر قرآن آڈیٹوریم' اتاترک بلاک نیو گارڈن ٹاؤن' لاہور میں منعقد ہو گا۔ تمام معاونین تحریک خلافت نوٹ فرمالیں اور شرکت کو یقینی بنانے کے لئے ضروری انتظام فرمائیں۔

○ نامے میرے نام

پاکستان میں صحافتی بددیانتی کے مظاہرے آئے دن دیکھنے میں آتے رہتے ہیں۔ دل خون کے آنسو روتا ہے لیکن جب اس کا مظاہرہ تحریک پاکستان کے صف اول کے روزنامہ نوائے وقت کی جانب سے ہوتا ہے تو کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے جس نے امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے مخلصانہ اور دیانتدارانہ نکتہ نظر پر پھبتیوں کو توجوں کا توں شائع کردیا لیکن اس کے جواب میں مدلل اور خلوص پر مبنی جواب کی قطع و برید کرکے حلیہ بگاڑ دیا گیا۔

جب امیر محترم نے ملک کے بڑے بڑے اخبارات کے مدیران اور مالکان سے مل کر خدا اور رسول ﷺ کا واسطہ دے کر انہیں عورتوں کی رنگین اور فحش تصاویر فرنٹ پیج پر شائع کرنے سے منع کیا تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ ڈاکٹر صاحب' کیا کریں مقابلہ بڑا سخت ہے۔ گویا یہ لوگ صرف پیسہ کمانے کے چکر میں ہیں اور انہیں اس سے کوئی سروکار نہیں کہ کس کا کیا مقام ہے اور کسے کیا مقام دیا جانا چاہئے۔ بہرحال آپ نے تازہ شمارہ میں "صدارتی نظام پر ڈاکٹر اسرار احمد کا اصرار" کے مصنف کی جو خبر لی تو ایسا محسوس ہوا جیسے میرے دل کی آواز آپ کے قلم سے نکل رہی ہے۔

اللہ آپ کو جزائے خیر دے اور موقر روزنامے کے ارباب حل و عقد کو راہ ہدایت دکھائے جنہوں نے مذکورہ مضمون کے جواب کو قطع و برید کے ساتھ شائع کرکے اس کا حلیہ بگاڑ دیا۔ یقیناً اس موقعہ پر آپ کی بھی کیفیت یہ رہی ہوگی کہ ۔

ایک نقطے نے ہمیں محرم سے مجرم کردیا
ہم دعا لکھتے رہے اور وہ دغا پڑھتے رہے

ڈاکٹر اقبال حسین
کوٹ شہاب الدین' شاہدرہ' لاہور

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم
کا مقصد بعثت
ڈاکٹر اسرار احمد
مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
اشاعت خاص ۔ر۲۰ روپے عام ۔ ر۱۰ روپے

بقیہ حدیث امروز

مسلمانوں کے لشکر اس وقت نکلیں گے جب عالم عرب کفر و دجل کی قوتوں کے سامنے عاجز ہو چکا ہو گا اور یہی لشکر لڑتے بھڑتے ایلیا یعنی یروشلم تک پہنچ کر وہاں اپنے جھنڈے گاڑنے میں کامیاب ہوں گے۔ اور ظاہر ہے کہ اس ناقابل شکست مسلم بلاک کی بنیاد ایران اور پاکستان کے کسی ایسے اشتراک عمل پر ہی استوار ہو گی جس کے لئے "سفارت کاری" کے رسمی نسخے کافی نہیں' ضرورت ایک مضبوط تر رشتے کی ہے جو اسلام کے سوا کچھ اور نہیں۔ ایران نے اپنے طریقے سے اللہ کی جس رسی کو پکڑ لیا ہے وہی پاکستان کے ہاتھ میں بھی آنی چاہئے۔

یہاں جب بھی اسلام کے نفاذ کی بات چلتی ہے' سوال اٹھایا جاتا ہے کہ کون سا اسلام؟ اہل سنت کا یا اہل تشیع کا؟۔ اور اسی ردوقدح کی اوٹ لے کر ہمارے سیکولر طبقات پاکستان کی اسلام کی طرف پیش رفت کو روکے بیٹھے ہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے کہا ہے کہ ایران اس مخمصہ میں ہماری مدد کر سکتا ہے۔ اپنی آبادی کی شیعہ اقلیت کو ہم نظرانداز نہیں کر سکتے اور اسے سمجھانے بجھانے میں بھی اب تک کامیاب نہیں ہو سکے کہ فقہ جعفریہ کو یہاں ریاست کا قانون بننے کا حق نہیں لیکن ایران یقیناً اس حیثیت میں ہے کہ ہمارے شیعہ بھائیوں کو صورت حال کی نزاکت سے آگاہ کر کے اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر آمادہ کر سکے کہ پاکستان میں اکثریت کا سنی اسلام ہی ریاست کا قانون ہو گا بالکل ویسے جیسے ایران کا اسلام شیعہ اسلام ہے۔ ایران میں جو حقوق سنی اقلیت کو حاصل ہیں' وہی یہاں اہل تشیع کو حاصل ہو جائیں تو مسئلہ حل ہو جائے گا اور پاکستان کے لئے نفاذ اسلام کی طرف پیش قدمی آسان ہو گی۔

ایران کا شیعہ اسلام اور پاکستان کا سنی اسلام ہاتھوں میں ہاتھ ڈال کر غلبہ اسلام کی منزل کی طرف قدم بڑھائے تو ان شاء اللہ پورے کرہ ارض کی تقدیر سنور جائے گی۔ ○○